نور العين

نور العين

لا تدرکه الابصار وهو یدرک الابصار

یعنی خدا کو آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں اور خدا کل آنکھوں کو دیکھتا ہے

نور العین

از رشحات قلم العالم العلیم الحبر النحریر المجید مولانا السید محمد رضا صاحب قبلہ صدر الافاضل

جس میں دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ سے نہایت مختصر و مفید طرز پر

دیدار الہی کا عقلاً و نقلاً محال ہونا ثابت کیا گیا ہے

جسکو

مشن شیعہ لائبریری امروہہ کے کلرک سید ابن حسن صاحب نے شائع کیا

اور باہتمام

سید احمد حسنین صاحب منیجر ہاشمی پریس

امروہہ میں چھپا

باسمہ سبحانہ

ناظرین مدت ہوئی کہ شیعہ لائبریری امروہہ کے کسی جلسہ مین استحالہ رویت خداوند عالم کے متعلق چند مضامین پیش ہوئے تھے اوسیوقت کا یہ ایک مسودہ شایع کیا جاتا ہے۔ اگرچہ میری کم سوادی کی جہت سے قابل اشاعت نہیں مگر وقتاً فوقتاً حق کی حقیت و حقیقت کو عام منظر پر لانا بھی ضروری ہے عرصہ سے شیعہ لائبریری امروہہ کا احقاق حق و ابطال باطل مین انہماک " مذہب حقہ کی اشاعت مین سعی " تاریخی واقعات " جدید اکتشافات " علمی مسائل پر عقلی و نقلی دلائل سے بحث حضرات مومنین امروہہ کے لئے نہایت درجہ قابل قدر ہے " اولاً تو زیادہ تر کتبخانون ہی سے مذہبی ترقی کا تعلق ہے کیونکہ مخالفین کی کتابین اپنے ہتھیار ہین اور اپنا ذخیرہ دکھا کارنامے جو ہمارے علما و کرام کا مایۂ حیات ہیں " یہ وہی خزانے ہین جن کے جمع کرنیوالون نے اپنی جان کی پروانہ کی " یہی وہ زراعت ہے جو اون کے خون جگر سے سینچی گئی۔ یہی وہ باغ ہے جو اون کی غیر معمولی ریاضتون سے پھولا پھلا " مستحق صد شکریہ ہین وہ بزرگان قوم جنہون نے اسکی سرسبزی مین حصہ لیا اور امروہہ مین کتبخانہ کی بنیاد رکھی بیش بہا کتابین وقف فرمائیں ماہانہ مصارف کو اپنے ذمہ لیا اگر دیگر حضرات جن کی دینی ہمدردیان " مذہبی فیاضیان " رفاہ عام مین نمایان کامیابیان کسی طرح قابل انکار نہین اور جن کی عظمت سے بہت کچھ امیدین وابستہ ہین اس طرف بھی نظر فرمائین تو کتبخانہ آئندہ نسلون مین شاندار یادگار قائم ہو سکتا ہے۔ اسوقت لائبریری قوم سے نگاہ کرم کی امیدوار اور ہر یکشنبہ کے جلسہ مین برکت قدوم کی آرزومند ہے امید ہے دست کرم بھی اوٹھ کر رہیگا۔

ناچیز السید محمد ایدہ الصمد

۵ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلحَمدُ لِلّٰہِ الَّذِی کَفٰی" وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلامُ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِینَ اصطَفٰی

قرآن اور اہل اسلام

مسلمانون کی سب سے بڑی بدنصیبی یہ ہے کہ اون کے مختلف فرقون میں ایسی مغائرت نظر آتی ہے جس کی نظیر کسی دوسرے مذہب کے چند گروہون میں کم دستیاب ہو گی اور جسکو غیر قومیں نہایت تعجب انگیز نگاہوں سے دیکھتی ہیں ،، اسلام کے دو بڑی فرقے ،، شیعہ ،، سنی ،، ظاہر بظاہر ایک کتاب کی ماننے والے معلوم ہوتے ہیں اور وہ کتاب بھی ایسی کتاب جو ہر طرح کامل و اکمل اور ایسا جامع و حاوی دستور العمل ،، مستحکم و مضبوط قانون ہی جس میں ہماری عبادات ہماری معاملات ہماری طرق معاشرات ہر مطلب کی ہدایتیں موجود ہیں ،، پس جبکہ یہ قانون اسلام تو ہر حال میں انسان کا ہادی اور صراط مستقیم پر چلانیوالا تہا پھر اوس کے ماننے والون میں یہ آج کل اختلافات کیون ہو رہے ہیں ،، محض اس وجہ سے کہ اہلسنت نے قرآن کو اہل قرآن سے نہ لیا بلکہ نا اہلوں میں پڑ گئے ،، زجاج و قتادہ ،، و کلبی و زمخشری کی تقلید کی جس کی وجہ سے یہ گندہ کاریاں پیدا ہوئیں ،، اور اہل تشیع نے اون حضرات سے اخذ کیا کہ جن کے گہر میں وہ نازل ہوا تہا جو محافظ قرآن مبیّن قرآن مفسّر قرآن حامل قرآن ہیں جن کی تخصیص و تعیین میں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ کی اس تشریح و تصریح کو کہ میری بعد صاحبان کتاب وہ لوگ ہیں جو میری اصل سے ہیں۔ تقریباً دو سو علماء اہلسنت نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے اور کتب اسلامیہ میں تمہتّر طریق سے مذکور ہے یہان تک کہ ابن حجر مکی بھی پندرہ[15] طریقوں سے ناقل ہی کہ حضرت

نے ارشاد فرمایا اِنِّی تَارِكٌ فِیْكُمُ الثَّقَلَیْنِ كِتَابَ اللّٰهِ وَعِتْرَتِیْ اَهْلَ بَیْتِیْ
مَا اِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ وَاِنَّهُمَا لَنْ یَّفْتَرِقَا حَتّٰی یَرِدَا
عَلَیَّ الْحَوْضَ (تحقیق کہ میں تم میں دو بڑی چیزیں چھوڑی جاتا ہوں ایک کتاب خدا دوسرے
میری عترت جو اہلبیت نبوت و رسالت ہیں جب تک تم ان دونوں سے متمسک ہوگے ہرگز
میری بعد گمراہ نہوگی اور وہ دونوں ہرگز ایکدوسری سے جدا نہونگے یہاں تک کہ حوض کوثر
پر میرے پاس وارد ہوں) جس سے معلوم ہوا کہ نہ قرآن عترت رسول سی جدا ہی نہ عترت قرآن
سے علیحدہ پس جو لوگ متمسک باہل نبوت ہیں وہی متمسک باہل قرآن ہیں اور جن لوگوں نے اہلبیت
کو چھوڑا غیروں کو اختیار کیا اونھوں نے قرآن کو چھوڑا اور جنھوں نی قرآن کو چھوڑا وہ گمراہ ہیں
اور یہی وہ لوگ ہیں جن کے متعلق جناب رسالتمآب صلے اللّٰہ علیہ وآلہ بروز قیامت بارگاہ خداوند عالم
میں عرض کرینگے رَبِّ اِنَّ قَوْمِیْ اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا (اے پروردگار
میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ دیا) کیا رسول خدا غلط شکایت کرینگے؟ کیا دنیا میں رسول پر
ہذیان کا بہتان لگانیوالے اور اون کے ہم مشرب وہمداستان اور اون کی سنت پر چلنے
والے قرآن کو چھوڑنے والے بیش مالک علام یہی جزا و سزا کے دن اس قول رسول کو ہذیان سی
تعبیر کر سکینگے؟" کوئی واقعی مسلمان تو تکذیب پیمبر پر نہ راضی ہوا اور نہ ہو سکتا ہے نہوگا۔ جن
لوگوں نے اہلبیت رسول کی متابعت چھوڑ کر راہ ہلاکت ابدی و ضلالت سرمدی اختیار کی
اور اَئِمَّةً یَّدْعُوْنَ اِلَی النَّارِ (ایسے پیشوا جو جہنم کی طرف بلاتی ہیں) کی پیروی میں
منہمک ہوئی وہ کچھ ایسے بہکے کہ کلام خدا کو کلام خدا نہ کہا اور آیات قرآنی کے ایسے نامعقول
معانی اپنے قیاس سے سمجھے جنھوں نے خدا اور رسول کی ذات میں نقص عظیم کا اعلان کر دیا۔" حالانکہ
خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے هُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ
مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِیْنَ
فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ

اَبْتِغَاءَ تَاوِیْلِہٖ وَمَا یَعْلَمُ تَاوِیْلَہٗ اِلَّا اللّٰہُ وَالرَّاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ،،
(اے رسول وہ تو ایسا خدا ہے جس نے تمہارے پاس ایسا قرآن بھیجا کہ اوس میں کچھ تو آیتیں
ایسی ہیں جو محکم ہیں وہی آیتیں اصل قرآن ہیں اور کچھ آیتیں ایسی ہیں جو متشابہ ہیں پس جن لوگوں
کے دلوں میں کجی ہے وہ انہیں آیات متشابہات کی پیروی کرتے ہیں تاکہ لوگونکو گمراہ کریں اور
اور شبہ میں ڈالیں اور اپنے مطلب کے موافق تاویل کریں حالانکہ اون آیات متشابہات کو
سوائے خدا اور اون لوگوں کے جو اپنے علم میں ثابت قدم ہیں اور علم اون کا مضبوط و یقینی
ہے کوئی تیسرا جان نہیں سکتا) اس آیۂ مبارکہ میں خداوند عالم نے خبر دی ہے کہ قرآن میں کچھ
آیات محکم ہیں اور کچھ متشابہ ہیں،، پس محکم وہ ہے جس کی معنی واضح و روشن ہوں اور اوسکے
الفاظ و معانی میں کسی طرح کا احتمال و اشتباہ نہو جیسے اِنَّ اللّٰہَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ
لِّلْعَبِیْدِ ۵ (خدا بندوں کے حق میں ظالم نہیں ہے) یا آیۂ حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ
الْمَیْتَۃُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِیْرِ ۵ تم پر مردار اور خون اور سور کا گوشت حرام
کیا گیا ہے اور متشابہ وہ آیت ہے کہ جس کی معنی و مطلب صاف طور سے واضح نہوں جیسے
کہ ایک لفظ ہو اور معنی اوسکے مختلف ہوں مثلاً فتنہ کا لفظ ہے کہ قرآن میں کہیں تو اوسکے
معنی امتحان کے ہیں (اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْا اَنْ یَّقُوْلُوْا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا
یُفْتَنُوْنَ (کیا لوگوں کو یہ گمان ہے کہ وہ اتنا کہدینے پر چھوڑ دئے جائینگے کہ ہم
کہ ہم ایمان لائے اور اون کا امتحان نہ لیا جائیگا) اور کہیں محبت کے معنی ہیں اِنَّمَا
اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ (سوائے اسکے نہیں کہ تمہاری مال و اولاد
تمہاری مطلوبہ چیزیں ہیں) اور کہیں عذاب کے معنی ہیں (ھُمْ عَلَی النَّارِ یُفْتَنُوْنَ
اور کہیں کفر کے معنی ہیں اَلْفِتْنَۃُ اَکْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ (کفر قتل سے بڑھ کر ہے)
اسی طرح اور بہت سے الفاظ ہیں جن کی متعلق خداوند عالم فرماتا ہے کہ وہ لوگ جن کے
دلوں میں کجی ہے وہ ایسے لفظوں کی معنی اپنی مطلب کے موافق گھڑ لیتے ہیں حالانکہ اون

کے اصلی معنی و مطلب کو کوئی دوسرا سوائے خدا اور اون لوگون کے جو راسخون فی العلم ہیں معلوم نہیں جانسکتا اور وہ جناب رسولخدا اور آئمہ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین ہیں (دیکھو تفسیر درمنثور جلد ۲ صفحہ ۶ مطبوعہ مصر) یہی وہ قرآن ناطق ہیں جن کی شان میں قرآن صامت کا بیان ہے قُلْ کَفٰی بِاللّٰہِ شَھِیْدًا بَیْنِیْ وَبَیْنَکُمْ وَمَنْ عِنْدَہٗ عِلْمُ الْکِتٰبِ۔ (اے رسول کہدو کہ میرے اور تمہارے درمیان رسالت کی گواہی کے لئے خدا اور وہ شخص جس کے پاس کتاب آسمانی کا علم ہے کافی ہے (دیکھو تفسیر درمنثور و اتقان سیوطی جلد ۴ صفحہ ۶۹) یہی وہ اہل الذکر ہیں جن کے متعلق خداوند عالم کی ہدایت ہے فَاسْئَلُوْا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۵ اگر تم نہیں جانتے ہو تو اہل الذکر سے دریافت کرو (دیکھو تفسیر درمنثور جلد ۴ صفحہ ۱۱۹) اس کے بعد بھی اگر اسلام کا دعوی کرنیوالے اپنے موروثی عناد کی وجہ سے کتاب خدا کے سمجھنے میں کلام اہلبیت سے جو راسخون فی العلم ہیں روگردانی کریں تو کم از کم حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ (ہمکو خدا کی کتاب کافی ہے) ہی پر عامل ہوں اور سمجھیں کہ فلان فلان اعتقادات و مطالب جو کسی ایک معین آیت سے ہمنے اخذ کئے ہیں آیا قرآن کی دیگر آیات سے تو مخالف نہیں ہیں اور عقل بھی ان کی تائید کرتی ہے یا نہیں تاکہ ایسے مسلمانوں کے اسلام کی کچھہ تو شرم و آبرو باقی رہے اور اون کے مذہب و مشرب پر مخالفین اسلام کو ہنسی کا موقع نہ ملے۔" حضرات اہلسنت نے ثقلین (قرآن و عترت رسول) کی پیروی سے منہ موڑا جس سے یہ نتائج پیدا ہوئے کہ توحید و معرفت الہیہ جو اصل اصول اسلام اور اول دین ہیں علاوہ دیگر اصول و فروع کے ان میں بھی ایسی خراش تراش ہوئی جو اس فرقہ کیواسطے نہایت بدنما اور مضحکہ خیز ہو گئی ہے

خدا اور صوفی فرقہ صوفیہ جو اہلسنت میں ایک بڑا معزز گروہ شمار کیا جاتا ہے اور جن کو "صوفیان با صفا،" "عارفان خدا،" "اولیاء اللہ" کے خطاب سے یاد

کرتے ہیں انہوں نے اسلام کی بیخ کنی میں کوئی وقیقہ اوٹھا نہیں رکھا یوں تو ان کے مختلف شعبے ہیں لیکن جو بڑے بڑے محققین ہیں اونہوں نے .. توحید میں یہان تک ترقی کی کہ سوائے خدا کے عالم میں کوئی چیز موجود نہیں دنیا میں جو کچھ ہے سب اوسی کا مظہر ہے جیسے دریا اور موج کہ درحقیقت ایک شئے ہیں صرف اعتباری فرق ہی گویا کہ ؎ خود کوزہ وخود کوزہ گر وخود گل کوزہ۔ ہر چیز ان کے نزدیک خدا ہے۔ تمام عالم عین ذات خدا ہے "معاذ اللہ" کبھی خدا شیطان کی صورت میں دکھائی دیتا ہے کبھی انسان کی صورت میں کبھی کتے اور سور کی صورت میں اوس کی عبادت ہوتی ہی" باوجود اس نئے رنگ کی توحید کے اون کا خیال ہی کہ اگر خدا کو معلوم کیا ہے تو ہم نے سو خدا حقیقی ہیں تو ہم ہیں۔ حالانکہ یہ معرفت الٰہیہ کی حالت ہے جس کا آج مخالفین اسلام کے مذاہب میں بھی پتہ نہیں مل سکتا اور یہ دین وایمان ہے گانا۔ بجانا۔ ناچ رنگ۔ حال و وجد کو عبادت سمجھے ہوئے ہیں۔ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوبِھِمْ وَعَلٰی سَمْعِھِمْ وَعَلٰی اَبْصَارِھِمْ غِشَاوَۃٌ وَّلَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۵ (خدا نے اون کے دلوں اور کانوں پر نظر کر کے اپنی نیک توفیق سلب کر لی اور اون کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے اور اونہیں کے لئے بڑا عذاب ہے۔

معرفت الٰہیہ اور اہلسنت

اب رہے اور حضرات اہلسنت اونہوں نے قرآن کو اس درجہ سمجھا کہ قدیم بنا دیا اور وصف قدم میں کتاب خدا کو خدا کا شریک قرار دیدیا ایسی حالت میں یہ لوگ اون فرقوں کے مقابلہ میں جنکی نزدیک "عقول عشرہ" "نفوس فلکیہ" "عناصر اربعہ" مادہ وغیرہ قدیم ہیں۔ حقیت اسلام کی کیا حجت لا سکتے ہیں۔

صاحب مواقف وشارح مقاصد نے صاف صاف کہدیا کہ احمد بن حنبل جو ائمہ اربعہ اہلسنت سے ہیں اون کی تابعین قرآن کے قدیم ہونے کے قائل

ہیں بلکہ یہان تک کہ جلد و غلاف کوبہی ازلی و قدیم کہتے ہیں اور قابل مضحکہ و لائق تعجب عقیدہ ہی کہ خدا عرش پر بیٹھا ہی اور اوس کا جسم بقدر اوسی کی چھ چھ بالشت کے عرش سے باہر نکلا ہوا ہی پہر اوس پر لطف یہ ہی کہ اوسکو عرش پر ہی قرار نہیں فرش کی بھی سیر کرتا ہے ہر شب جمعہ میں زمین پر آتا اور گدہے پر سوار ہوکر چکر لگانا ضروری ہی بلکہ ابوہریرہ کی روایت ہے کہ ہر شب میں جب تہائی رات باقی رہجاتی ہے خدا زمین پر آکر آواز دیتا ہے کہ میرے بندون میں سے کوئی ہی جو مجہسے دعا کرے اور میں قبول کرون وہ کون ہے جو مجہہ سے سوال کرے پس میں اوس کی سوال کو پورا کرون وہ کون ہے جو مجہہ سے طالب مغفرت ہو اور میں اوس کو بخشدون (دیکھو بخاری جلد ۴ صفحہ ۶۰) اور موطا امام مالک میں خدا کا یہ نزول ایک خوبصورت بے ریش لڑکے کی حالت و کیفیت سے دکہلایا گیا ہی کبہی انسان کبیر السن کی صورت میں اور داڑہی و سر کے بالون کا سیاہ و سفید ہونا بیان کیا جاتا ہے اور امام اعظم ابو حنیفہ کا عقیدہ ہی کہ جب زمانۂ حضرت نوح میں طوفان آیا تو خدا اسقدر رویا کہ آنکہیں آشوب کر آئین اور ملائکہ عیادت کے لئے حاضر ہوئے علاوہ ان ضلالات کے خدا کی روئیت کا ہونا یا اپنی ٹانگ کا دوزخ میں ڈالنا یا پنڈلی کہول کر اہل محشر کو دکہانا ایسے باطل و لغو اعتقادات و بیہودہ خیالات ہیں جن کے تذکرہ سے دل ہلتا ہی۔ (دیکھو بخاری جلد ۴ صفحہ ۱۸۱ و ۱۸۸)

اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَكَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا عَظِيْمًا ۝

(اے رسول دیکہو کہ خدا پر کس طرح جہوٹ باندہتے ہیں اور یہ اون کے لئے گناہ عظیم کافی ہے) افسوس ہی ان مسلمانون پر کہ ایسے اعتقادات سے اسلام کا نام بدنام کیا اور کتاب اللہ الناطق عترت رسول کی کلام کو پس پشت ڈال دیا اور قائل حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ کی تقلید میں ثقل اکبر سے ایسا منہ موڑا کہ بمقتضائے قول جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ مَثَلُ اَهْلِ بَيْتِي كَمَثَلِ سَفِيْنَةِ نُوْحٍ

مَن رَکِبَهَا نَجٰی وَمَن تَخَلَّفَ عَنهَا غَرِقَ وَهَوٰی (مثال میرے اہلبیت
کی مثال کشتی نوح کی ہے جو شخص اوسپر سوار ہوا اوسنے نجات پائی جس نے روگردانی کی وہ
وہ غرق وہلاک ہوا) انہوں نے اپنے کو بحر ضلالت میں ڈبو دیا۔

دیدار الٰہی ایک صرف دیدار خدا کا مسئلہ ہے اگر یہ لوگ بغیر تعصب کے معمولی غور کریں تو
معتقدات مذکورہ خود بخود ہوا ہو جائینگے۔ قائلین رویت کا اِس مسئلہ میں عقل کو چھوڑنا
نقل کو ترک کرنا خدا کی طرف سے آنکھیں بند کرنا رسول کی اعراض ثقلین سے دست برداری
یہ تمام کارروائیاں محض اوس روایت پر عمل کرنے کے لئے صحیح سمجھی گئیں جس کو بخاری ومسلم
ودارقطنی ونسائی وغیرہ نے ابوہریرہ سے نقل کیا ہے۔ بھلا ابوہریرہ صاحب کا کیا کہنا
جن کی روایتیں آج زبان زد خلایق ہیں یہ تو ایسے معتبر محدث ہیں کہ خود علمائے اہلسنت
نے جن کے بارے میں یہ اعتراف کیا ہے کہ ان حضرت کی صدہا احادیث گھڑی گھڑائی ایسی
پائی جاتی ہیں جو عقلاً ونقلاً کسی طرح درست نہیں"۔ چونکہ جناب باری تعالیٰ واجب الوجود
اور مجرد عن المادہ ہے اسلئے حکماء ومعتزلہ بھی رویت خداوند عالم کو محال جانتے ہیں۔
لیکن فرقہ مجسمہ اور اشاعرہ اہلسنت اسکو تجویز کرتے ہیں"۔ فرقہ مجسمہ نے تو جب اپنے خدا کو مجسم
قرار دیدیا تو بطریق بناء فاسد علی الفاسد دیدار کے بھی قائل ہو گئے۔ مگر اشاعرہ سے تعجب ہے
کہ بظاہر خدا کو مادہ سے مجرد بھی کہتے ہیں اور رویت پر بھی اڑے ہوئے ہیں حالانکہ
خداوند عالم نہ جسم ہے نہ جسمانی نہ زمانی ہے نہ مکانی نہ عرض ہے نہ جوہر وہ تو خود اجسام کو اجسام
بنانیوالا حیز ومکان کا پیدا کرنیوالا، صورتوں کا مصور، جواہر واعراض کا خالق ہی خود
ارشاد فرماتا ہے لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ (خدا کی مثل کوئی چیز نہیں) جس کے سمجھنے
کے بعد کوئی عاقل نہیں کہہ سکتا کہ اوپر ہے یا نیچے جنوب میں ہے یا شمال میں مشرق میں
ہے یا مغرب میں پس جبکہ وہ نہ کسی جہت میں نہ کسی دوسرے کے مقابل ہو سکتا ہے تو ضرورتاً
ویقیناً دنیا وآخرت دونوں میں چشم سر سے اوس کا دیدار محال ہے ہاں دیکھنے والے

قلب کی آنکھہ سے اوسکو دیکھتے ہیں اور دیکھتے رہینگے۔ ورنہ عبادت ہی کس کی کرتے جب حقایق ایمان کے ذریعہ سے معبود کا مشاہدہ قلبی ہوگیا اور دیدہ دل سے اوسکو دیکھہ لیا تب ہی تو اوس کی عبادت کی۔ مگر کور باطنون کا کیا علاج اُن کو اس خیال ہیں کہ سر کی آنکھون سے خدا کا دیدار ہوگا دل کی آنکھون سے ہی دیکھنا نصیب نہوا، ظاہر ہے کہ وہم آنکھون کی نظر سے کہیں زیادہ تیز اور قوی ہے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ لوگ جن سے کبہی ملاقات نہیں ہوئی وہ شہر کہ جن ہیں کبہی ہم داخل نہیں ہوئے وہم خیال ہین آجاتے ہیں حالانکہ اون کو آنکھہ سے نہیں دیکھا پس باوجود ایسے دقیق ہونے کے وہم کی ہی ذات باری تعالیٰ تک رسائی نہیں ہوتی کہ وہ ادراک کر سکے تو پہر آنکھہ کی بینائی جو اوس سے نہایت درجہ ضعیف ہے ذات خدا کو کس طرح محسوس کر سکتی ہے "

بہلول اور ابو حنیفہ

اس مقام پر ایک مناظرہ کی لطیف حکایت قابل ذکر ہی جس کو جناب شہید ثالث علیہ الرحمہ نے مجالس المومنین میں بیان فرمایا ہے کہ ایک روز اہلسنت کے امام اعظم ابو حنیفہ اپنے شاگردون سے کہہ رہے تھے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کی تین باتیں مجھ کو ناپسند ہیں "ایک تو وہ اس کے قائل ہیں کہ شیطان جہنم میں جلایا جائیگا اور یہ میرے قیاس میں نہیں آتا کیونکہ شیطان آگ ہی سے پیدا ہوا ہے "آگ۔ آگ کو کیا جلا سکتی ہے" **دوسرے** وہ فرماتے ہیں کہ بندے اپنے افعال کے خود فاعل ہیں حالانکہ اوسکے خلاف بہت سی حدیثین موجود ہین۔

تیسرے۔ اون کا عقیدہ ہے کہ خدا کا دیدار غیر ممکن ہے نہ اوسکو کوئی دنیا مین دیکھہ سکتا ہے نہ آخرت میں مگر میری سمجھہ میں نہیں آتا کہ کوئی چیز موجود ہو اور پہر دکھلائی نہ دے جب خدا موجود ہے تو پہر اوس کی رویت بہی ہوگی۔ کہیں سے بہلول دانا بہی امام اعظم کے دروازے کی طرف آنکلے اور اس بیان کو سن کر ایک ڈہیلا مٹی کا اوٹھایا اور ابو حنیفہ کے مار کر چلدیے اتفاقاً وہ ڈہیلا اون کی پیشانی پر لگا اوستاد و شاگرد سب کے

سب بہلول کے پیچھے دوڑ پڑے لیکن بہلول خلیفۂ وقت کے قریبی رشتہ دار تھے اس بناء پر اونکے ساتھ تو کچھہ نہ کر سکے مگر پکڑ کر خلیفہ کے پاس لے آئے اور شکایت پیش کی جس پر بہلول نے کہا کہ بینے تمہارے ساتھ کیا کیا ہے ابو حنیفہ نے جوابدیا کہ تمنے میری سر پر ڈھیلا مارا جسکی سخت چوٹ آئی اب تک درد موجود ہے اسپر کہتے ہو کہ میں نے کیا کیا ہے بہلول نے کہا کہ تمہارے چوٹ کس طرح لگی تم بھی مٹی سے بنے ہو اور ڈھیلا بھی مٹی کا تھا ابھی تم کہہ رہے تہے کہ شیطان بھی آگ سے پیدا ہوا ہے آگ آگ کو کیا جلا سکتی ہے پس جسطرح تمہاری نزدیک آگ سے آگ کو کچھہ ایذا نہیں پہونچ سکتی اسی طرح مٹی مٹی کو کچھہ تکلیف نہیں دے سکتی اسکے علاوہ تمنے ابھی بیان کیا ہے کہ بندے اپنے افعال میں مجبور ہیں جو کچھہ کرتا ہے خدا ہی کرتا ہے پھر تم مجھی کیوں پکڑتے ہو مینے تو کچھہ نہیں کیا جو کچھہ کیا خدا نے کیا ہے اوسکو گرفتار کر کے لے آؤ اگر تمہارے چوٹ لگی ہے تو ذرا درد کی صورت مجھے بھی دکھاؤ کہاں ہے جس پر امام صاحب نے فرمایا کہ واہ واہ درد بھی دیکھنے دکھانے کی چیز ہے بہلول نے جوابدیا کہ پھر تم ابھی امام جعفر صادق علیہ السلام پر کیوں اعتراض کر رہے تہے کہ وہ رویت خدا کو محال کہتے ہیں حالانکہ جو چیز موجود ہے وہ دکھائی دے سکتی ہے پس اگر تمہارے درد موجود ہے تو آنکھوں سے کیوں نہیں دکھائی دیتا یہ سن کر ابو حنیفہ ساکت و شرمندہ واپس چلے گئے۔ واہ رے بہلول دانا کی دانائی کہ ایک ڈھیلے سے قیاسات ثلاثہ کی بنیاد اوکھاڑ پھینکی۔

رویت کے شرائط

خلاصہ یہ کہ ہر شے کی رویت کے لئے آٹھ شرطیں ضروری ہیں۔ ۱ اول قوت باصرہ کی صحت۔ ۲ دوسرے دیکھنے والی کا اور اوس شے کا جس کو دیکھنا منظور ہے باہم مقابل یا حکم میں مقابل کے ہونا ۳ تیسری وہ شے بہت قریب نہو کہ آنکھ سے ملجائے ۴ چوتھے اس قدر بعید بھی نہو کہ وہاں تک نظر کام نکر سکے ۵ پانچویں اوس چیز کے اور دیکھنے والیکے درمیان میں کوئی ایسا حائل نہو جو اوسکی دکھائی دینے سے مانع ہو ۶ چھٹے یہ کہ وہ شے ایسی شفاف بھی نہو کہ نظر اوسپر ٹھہیر ہی نہ سکے بلکہ غلیظ و کثیف ہو مثلاً ہوا کہ ایسی

شفافیت کی وجہ سے دکھائی نہیں دیتی (ساتویں) اوس شے کے دیکھنے کا قصد بھی ہو اور وہ شے دکھائی دینے کی قابلیت رکھتی ہو مثلاً اتنی خفیف نہو کہ نظر ہی نہ آسکے آٹھویں یہ کہ وہ شے روشنی میں ہو ایسی تاریکی میں نہو کہ قوت باصرہ اوسکے ادراک سے عاجز ہو جائے" پس ان تمام شرائط کے بموجب حسب اعتقادات قائلین رویت خداوند عالم کا مجسم ہونا لازم آئیگا اور پھر تمام وہ لوازم جن کا وجود جسم کے لئے ضروری ہے خداوند عالم کے لئے تجویز کرنا پڑینگے حالانکہ یہ امر اپنے مقام پر ثابت ہو کہ وہ واجب الوجود لذاتہ مادہ سے مجرد۔ جہت وحیز ومکان سے مبرا ہے پھر کیونکر دکھائی دی سکتا ہے۔

اہلسنت کا سفسطہ

شرائط مذکورہ کے متعلق تمام عقلا نے دعوی کیا ہے کہ آنکھہ سے دیکھنا بغیر ان کے عقلاً متحقق نہیں ہو سکتا اور رویت کا وجود ہی محال ہے جسکو محال عقلی سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ آنکھ بذریعہ اوس قوت کے جو اوس میں ودیعت کی گئی ہے بغیر شروط مذکورہ کے عقلاً ہرگز ہرگز ادراک نہیں کر سکتی اور قطعاً غیر ممکن ہی لیکن اہلسنت نے اس باب میں تمام عقلائے متکلمین و فلاسفہ سے مخالفت کی ہے اور رویت کے لئے ان میں سے کسی شرط کو عقلاً ضروری نہیں سمجھتے اتنا تو اقرار ہے کہ اسباب طبعیہ میں نظر کرنے سے بطریق عادت یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ رویت کا وجود بغیر ان امور کے نہیں ہوتا لیکن اس سے یہ لازم نہیں کہ بغیر ان کی وجود رویت ہی محال ہی جس سے معلوم ہوا کہ دیدار خدا کو مجبوراً محال عادی تو کہنے لگے مگر محال عقلی کہنے میں ابھی کلام ہے خدا جانے کس قسم کی عقل ان لوگون کے دماغ میں ہی کہ اس عقیدہ فاسد کی تصحیح کے لئے یہان تک تجویز کر دیا کہ ہو سکتا ہے اندہا آدمی جو مشرق میں ہے اوس سیاہ چیونٹی کو جو مغرب میں سیاہ پتھر پر بیٹھی ہو" اور درمیان میں بڑے بڑے اونچے پہاڑ بھی حائل ہون اندہیری رات میں بے تکلف دیکھہ لے" یا ایک بہرا آدمی جو جنوب میں ہو ہلکی سے ہلکی آواز جو شمال میں ہو سن لے۔ یہ سفسطہ

نہیں تو اور کیا ہے" بلکہ کوئی سوفسطائی انکار محسوسات میں اس حد تک نہیں پہونچا کیونکہ
اون کا سفسطہ تو یہیں تک تھا کہ ممکن ہی کسی شخص کے مکان میں کچھہ مٹی کے برتن رکھے
ہوں اور وہ شخص اپنے گھر سے تھوڑی دیر کے لئے باہر چلا جائے جب واپس آئے تو یہ معاملہ
دیکھے کہ وہ تمام برتن بڑے بڑے عالم و فاضل فلسفی و منطقی کی صورت میں ہوگئے ہوں۔
مگر اہلسنت نے تو یہان تک ترقی کی کہ جائز ہے آنکھوں کے سامنے ہی وہ برتن یا علم انسان
بنگئے ہوں اور ہمیں برتن ہی دکھائی دیں" پس جبکہ اس فرقہ کی حالت انکار بدیہیات
میں اس حد تک پہونچی ہوئی ہے تو پھر عادت و مشاہدہ پر اعتماد ہی قطعاً جاتا رہا نہ
آگ آگ ہے نہ پانی پانی ہے اگر ایسا ہو کہ جس شخص کو ہم مسلمان انسان سمجھہ رہے ہیں
وہ فی الواقع گدہا ہو اور جسکو ہم گدہا دیکھہ رہے ہیں وہ فی الواقع ایک مسلمان آدمی
ہو تو نظام تمدن صحیح نہیں رہ سکتا" یہ ہیں وہ توہمات جن پر ان عقلمندوں نے تجویز
رویت باری تعالی کی بناء قرار دی ہے حالانکہ یہ محال لیسا محال عقلی ہے کہ جس پر خدا
کی جسمیت و حدوث وغیرہ کتنے محالات مترتب ہوتے ہیں باوجود اسکے رویت کی
عقلاً تجویز سراسر مکابرہ ہے ورنہ تمام اہلسنت جو دیدار خدا کے قائل ہیں اپنے
خدا کے مجسم ہونیکا بھی صاف صاف اعلان کر دیں اگرچہ اون کا اعتقاد باطنی
خدا کی پنڈلی وغیرہ سے ظاہر ہو رہا ہے" ہاں اگر بلحاظ عموم قدرت خداوند عالم
رویت کی تجویز عقلی سے یہ مقصود ہی کہ ہوسکتا ہے خداوند عالم بغیر شرائط رویت اپنے کو
دکھادے تو یہ بحث ہی دوسری ہے جسکی تفصیل آگے چلکر اپنے مقام پر آئیگی۔

امتناع رویت پر قرآن کی شہادت

اس مسئلہ میں حضرات اہلسنت نے صرف عقل اور
عقلاہی کے خلاف نہیں کیا بلکہ کلام مجید کی بہت
سی آیات کا انکار کر بیٹھے جو نہایت واضح طور پر
دلالت کر رہی ہیں کہ خدا کی رویت محال ہے اوس کا دیدار نہ دنیا میں ہوسکتا ہے

نہ آخرت میں جس طرح عام بندون کیلئے ناممکن ہو اوسیطرح انبیاء اولیاء کیلئے بہی ناممکن
ہے کیونکہ وہ دکہائی دینے کی قابلیت ہی نہیں رکہتا چنانچہ خداوند عالم پارہ ۷ سورہ
انعام رکوع ۱۲ میں ارشاد فرماتا ہے لَا تُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ
(اوسکو آنکہیں دیکہہ ہی نہیں سکتی ہیں اور وہ لوگون کی نظرون کو خوب دیکہتا
ہے) یہ واضح رہے کہ علوم عربیہ نے اس امر کو طے کر دیا ہے کہ جس لفظ جمع پر الف
ولام آئیگا اوس سے استغراق کا مطلب سمجہا جاتا ہے اسی لئے صحت استثنا
اور عرف کی شہادت قوی دلیل ہے یہان بہی لفظ ابصار جو بصر کی جمع ہے الف ولام
بہی موجود ہے جس سے صاف صاف یہی مطلب ہے کہ کوئی نگاہ خواہ مومن کی ہو یا کافر کی
اور کوئی آنکہہ خواہ نبی کی ہو یا غیر نبی کی خداوند عالم کو نہیں دیکہہ سکتی۔ یہی حال نفی
مطلق کا ہے کہ اوس میں بہی عام طور پر ہر حالت کے لئے نفی ہوا کرتی ہے اور کسی وقت
خاص کیساتھ مخصوص کرنا ترجیح بلا مرجح ہے اس آیت میں بہی جناب باری تعالی نے
مطلقاً نفی فرمائی کہ کوئی آنکہہ اوسکو نہیں دیکہہ سکتی اور کسی وقت کیساتھ مقید
نہیں فرمایا جس سے ثابت ہوا کہ جمیع اوقات میں ہر ہر زمانہ میں رویت کی نفی فرمائی ہے
کہ کوئی آنکہہ اوسکو نہ دنیا میں نہ آخرت میں کسی جگہہ کسیوقت نہیں دیکہہ سکتی اسی
طرح پارہ ۹ سورہ اعراف رکوع ۱۷ میں ارشاد فرماتا ہے۔

قال رب ارنی انظر الیک ط قال لن ترانی (موسی نے عرض کیا خداوندا
تو مجہے اپنی ایک جہلک دکہادے کہ میں تجہے دیکہون خدانے فرمایا تم مجہے ہرگز نہ
دیکہوگے) اس آیت میں خداوند عالم نے حضرت موسی علی نبینا وعلیہ السلام کے
متعلق تاکید کیساتھ اپنی رویت کی نفی فرمائی ہے اور زبان عربی سے واقفیت
رکہنے والے حضرات جانتے ہیں کہ لفظ لن ہمیشہ ہمیشہ کی نفی تاکیدی کیلئے استعمال کیا جاتا
ہے تا وقتیکہ کلام کو کسی قرینہ یا زمانہ محدود کیساتھ مقید نہ کیا جائیگا وہ نفی آئندہ

کے لئے ہمیشہ کا فائدہ دیگی چنانچہ یہاں جناب باری ذلن ترانی فرماکر حضرت موسیٰ
کے لئے ہمیشہ کیواسطے دنیا و آخرت میں دیدار کا ممتنع ہونا بیان فرمادیا پس جبکہ
خدا کا دکھائی دینا حضرت موسیٰ جیسے پیمبر کے حق میں محال ہے تو حضرات اہلسنت کس شمار
و قطار میں ہیں تمام عالم کے لئے دیدار الٰہی بدرجہ اولیٰ محال ہوگا اور پارہ ۶ سورۂ
نسآء رکوع ۲۲ میں ارشاد فرماتا ہے فقد سألوا موسیٰ اکبر من ذلک
فقالوا ارنا اللہ جہرۃً فاخذتهم الصعقة بظلمهم (ان کے
بڑے تو موسیٰ سے اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر سوال کر چکے ہیں چنانچہ اونہوں نے
کہدیا کہ ہمیں خدا کو کھلم کھلا دکھادو تب اون کو اون کی شرارت کی وجہ
سے بجلی نے ڈالا) پس اگر خداوند عالم کی رویت کسی طرح کسی وقت میں جائز
یا ممکن ہوتی تو دیدار کی خواہش کرنے والے ایسی مذمت کے مستحق نہوتے اور نہ انکے
سوال رویت کو لفظ ظلم سے تعبیر کیا جاتا "یہ ایسا ہی ظلم تھا جس کی وجہ سے اون
پر بجلی گرائی گئی اور مسلمانوں کی تہدید کے لئے جو بنی اسرائیل کی طرح دیدار خدا کے
قائل ہیں کئی جگہ اس واقعہ کو خداوند عالم نے بیان فرمایا" پارۂ اول سورۂ بقر
رکوع ۶ میں ہے واذ قلتم یا موسیٰ لن نؤمن لک حتی نری
اللہ جہرۃ فاخذتکم الصعقة وانتم تنظرون ط وہ وقت بھی
یاد کرو جب تم نے موسیٰ سے کہا تھا کہ اے موسیٰ ہم تمہارا اوس وقت تک ہرگز ایمان نہ
لائینگے جب تک ہم خدا کو کھلم کھلا نہ دیکھ لیں جس پر تمہیں بجلی نے ڈالا اور تم
تکتے ہی رہگئے) اور پارہ ۹ سورۂ اعراف رکوع ۹ میں فلما اخذتهم الرجفة۔
(پس جب اون کو زلزلہ نے آپکڑا) ارشاد فرمایا ہے" ظاہر ہے کہ جب کفار اپنے اپنے
زمانہ کی تصدیق کو طرح طرح کے معجزے دکھلانے پر موقوف کرتے اور کہتے کہ ہم تو اوسی
وقت ایمان لائینگے جب آپ فلان معجزہ دکھائیں تو خداوند عالم اپنے..

ہمیبرون کو اس استدعا پر وہ معجزات کرامت فرما دیتا تہا" کور مادرزاد اچہے ہوئے مردے زندہ ہوئے شق القمر واقع ہوا لیکن نہ ماننے والون نے تب بہی نہ مانا اور نہ ایمان ہی نہ لائے۔ حضرت موسیٰ کی قوم کا کیسا اصرار تہا کہ پکار پکار کر اپنے ایمان کو خدا کے دیکہنے پر معلق کر رہے تہے مگر خدا نے اپنے دیدار سے اون پر اتمام حجت نہ فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ اوسکی رویت کسی طرح ممکن ہی نہ تہی اگر آخرت میں بہی عقلاً جائز ہوتی تو ہرگز ہرگز خداوند عالم محض اس غلطی پر کہ دیدار آخرت کی چیز ہے اور قوم اوسکی دنیا میں طالب ہے بجلی گرا کر اون کو معذب نہ فرماتا یا تو دیدار کرا دیتا یا آخرت کے لئے وعدہ فرماتا عذاب کا یہی سبب تہا کہ وہ اپنے ایمان کو امر محال سے مشروط کرکے ظاہر کر رہے تہے کہ ہمارا ایمان لانا ہی محال ہے ورنہ ایسا رحیم و کریم اپنی جہلک دکہانے میں ہرگز بخل و خست نکرتا جو یہ تعلیم فرماتا ہے وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ (سوال کرنیوالے کو مت جہڑکو) جس کا رسول ہدایت کرتا ہے اَغْنُوهُمْ عَنْ مَسْئَلَتِهِمْ وَلَوْ بِتَمْرَةٍ (سائلون کو اونکے سوال سے بے پروا کردو اگرچہ ایک خرمہ کے دانے سے ہی کیون نہو)

اہلسنت کا پہلا خیال

بہرکیف وہ مسلک جو قائلین دیدار کے پیشوا ابو الحسن اشعری نے خداوند عالم کی رویت جائز ثابت کرنے کے لئے اختیار کیا ہی لائق غور ہے جس سے ان لوگون کے اساس مذہب کی وقعت و معلوم ہوتی ہے سب سے بڑا زبردست استدلال جس کو یہ حضرات ہمیشہ و مایہ ناز سمجہتے ہیں یہ ہی کہ خداوند عالم قادر مطلق ہے اوس کی رویت اس طرح ممکن ہے کہ مجسم ہی نہو اور آنکہیں محسوس کرلیں اسلئے کہ خدا جب تمام امور پر قادر ہے تو اس پر بہی اوس کو قدرت حاصل ہی کہ خود بہی قابل دکہائی دینے کی ہو جائے اور دیکہنے والون کی بینائی کو لائق اپنے دیدار کے قوت عطا کر دی اس استدلال کے متعلق یہ سمجہ لینا کافی ہے کہ خداوند عالم قادر و مختار ہی کوئی امر ممکن اوسکی قدرت سے باہر نہیں

ہر امر کے ترک و فعل میں اختیار رکھتا ہے چاہے اوسکو کرے یا نہ کرے لیکن ممتنعات جن کا وجود میں آنا ہی محال ہے اون سے قدرت خدا متعلق نہیں ہوتی اسوجہ سے کہ قادر علے الاطلاق عاجز ہے بلکہ اس سبب سے کہ محال امور میں وجود کی قابلیت ہی نہیں ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ شیطان نے حضرت عیسی سے دریافت کیا کہ آیا خدا اس پر قادر ہے کہ زمین کو مرغ کے انڈے میں داخل کر دے لیکن نہ زمین چھوٹی ہو نہ انڈا بڑہنے پائے۔ حضرت نے جواب میں فرمایا کہ لعنت خدا تجھپر یہ امر محال ہے مگر خدا کو عاجز نہیں کہا جاسکتا اسلئے کہ وہ تو ایسا قادر ہے کہ زمین کو لطیف اور انڈے کو اس قدر وسیع فرما سکتا ہے کہ زمین اوس میں سما جائے۔" اسی طرح کسی نے جناب امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا تو حضرت نے ارشاد فرمایا کہ خدا موصوف بالعجز نہیں لیکن جو کچھہ تو نے سوال کیا وہ خود محال ہے اوس میں وجود کی قابلیت ہی نہیں۔ پس خدا تو قادر مطلق ہے اوس کی قدرت عام ہے اور ممتنعات کا بوجہ اپنی ناقابلیت وجود کے اوسکی قدرت سے متعلق نہونا عمومیت قدرت خدا میں کچھہ قادح نہیں ہو سکتا جس طرح کہ امور قبیحہ ہر چند کہ قدرت خدا کی تحت میں داخل ہیں لیکن بحیثیت اوس کی حکمت کاملہ کے قبیح امور کا خدا سے صادر ہونا محال ہے۔" اسی طرح خداوند عالم کی رویت بالبصر چونکہ عقلاً و نقلاً محال ہے لہذا وہ کسی طرح وقوع میں نہیں آسکتی خواہ وہ نگاہیں دنیا کی نگاہیں ہوں یا عالم آخرت کی جسم نورانی ہو یا غیر نورانی۔ دیکھنے والے اولیاء اللہ ہوں یا غیر اسلئے کہ رویت تو بغیر اپنے شرائط کے متحقق ہی نہیں ہوسکتی خواہ رویت کا قائل خدا کے مجسم ہونے سے بچے یا جسمیت کو چھوڑ کر اس کا معتقد ہو کہ کہ چونکہ خدا وسیع القدرت ہے لہذا ہو سکتا ہے کہ وہ بغیر مجسم ہوئے اپنے کو مومنین کی آنکھوں کے سامنے پیش کر دے یا اور کسی طرح کی تاویلیں کی جائیں لیکن یہ سب صورتیں اگر سرتا پا محال ہیں۔" جبکہ خدا قابل رویت ہونا ہی محال ہے۔ تو قدرت

خدا اپنے کو قابل رویت بنانے سے متعلق بھی نہوگی اگر یہ کسی طرح بھی صحیح ہوتا تو خداوند عالم ضرور
حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کے سوال پر اپنے کو قابل رویت بنا کر اپنا دیدار کرا دیتا
آخرت ہی کی کیا خصوصیت ہے اور اگر وہ آج لائق دیدار نہیں لیکن آخرت میں اس قابل
ہو جائیگا تو اسکو تغیر کہتے ہیں جس سے خداوند عالم کا حدوث لازم آتا ہے اور وہی دلیل
عقلی جو حدوث عالم کے لئے پیش کی جاتی ہے یہاں بھی اہلسنت کو جاری کرنی لازم ہوگی
کہ خداوند عالم متغیر ہے اور ہر متغیر حادث ہے لہذا خدا بھی حادث ہے خلاصہ یہ کہ جب وہ
مجرد عن المادہ اور واجب الوجود ہے لیکن اوسکے لئے کیسی ہی تیز و نورانی نگاہ ہے کیوں
نہو رویت کو تجویز کیا جاتا ہے تو کیا اوسکی طرف اشارہ بھی ہوسکیگا یا نہیں "مقابل
یا حکم میں مقابل کی بھی ہوگا یا نہیں" اگر مشار الیہ اور مقابل یا فی الحکم مقابل نہیں ہے تو
رویت بالبصر بھی ندارد ہوگئی اور اگر ایسا ہی تو خدا خدا ہی نہ ہا کیونکہ جب وہ مشار الیہ
ہوگیا او محل امور حادثہ قرار پایا تو واجب الوجود قدیم نہیں ہوسکتا۔ بلکہ حادث ہوجائیگا
حالانکہ اوس کا حدوث محال ہے کیا کوئی عاقل سمجھہ سکتا ہے کہ مطلق اشارہ اوسکی
کی طرف نہوسکے لیکن آنکھوں سے دیدار ہوجائے۔ پس جبکہ رویت بالبصر پر یہ
محالات مترتب ہوتے ہیں تو قدرت خدا اس سے متعلق ہی نہوگی اگرچہ وہ وسیع
القدرت ہے۔ لیکن رویت سے جو امر محال ہے اوس کی قدرت کا متعلق نہونا عموم قدرت
میں کوئی خلل پیدا نہیں کرسکتا اگر کوئی امر ممکن ہوا اور پھر اوسکی قدرت کی تحت میں
نہو تو البتہ قدرت علی الاطلاق کے منافی ہوگا۔ جس طرح کہ خداوند عالم نے اپنا
شریک نہ پیدا کیا اور نہ پیدا کریگا حالانکہ اوسکی قدرت عام ہے مگر اپنا شریک
بنانے سے اوس کی قدرت اسلیو جہسے متعلق نہیں ہوسکتی کہ خود شریک باری کا
وجود ہی محال ہے اور اوسکے مفہوم میں وجود علینی کی قابلیت ہی نہیں پس خداوند
عالم اپنی ذاتی حیثیت سے تمام امور پر قادر ہے۔ لیکن محال امور سے ..

اوس کی قدرت کا متعلق نہونا بسبب اون کی نا قابلیت وجود کے ہے نہ بوجہ عجز
خداوند عالم اسیوجہ سے اوس کی قدرت تامہ میں کسی قسم کی نقص لازم نہیں آتا ہے یا یہ کہ
بندون کی آنکھون میں خداوند عالم اعلیٰ نورانیت نہ صرف آخرت میں بلکہ دنیا میں ودیعت
فرما سکتا ہے لیکن اس کو اون کی نظرون کا خداوند عالم کو محسوس کر لینا کسی طرح لازم
نہیں آتا اون کے لیئے وہ اشیاء محسوسہ خارج میں معین ومشار الیہ اور متشخص ومقابل یا بحکم
میں مقابل کی ضرور ہونگی اگر اون کی ایسی ہی نظر یا اس سے بہی اعلیٰ نورانیت کی نگاہ سے خداوند
عالم کو محسوس کر لینا جائز قرار دیا جائیگا تو وہ خرابیان کہان چلی جائینگی جو اصل رویت
سے پیدا ہوتی ہے کہ خدا خدا ہی نہیں رہتا دیکھنے والون کی نگاہون کا نورانی ہونا اُمور
خارجہ میں سے ہے اِس کا اوس ذات پر ~~اوس~~ کا کیا اثر پڑ سکتا ہے جو محسوس ہی نہیں
ہوسکتی کوئی آنکھ خواہ نبی کی ہو یا ولی کی جس کو وہ محسوس کریگی وہ مشار الیہ ومقابل
یا فی حکم المقابل ضرور ہوگی ایسا نہیں ہوسکتا کہ کوئی آنکھ خواہ وہ کیسی ہی نورانی کیون نہو
اوس کا محسوس ایسا ہو جو کسی جہت میں نہو مشار الیہ ہی نہو مقابل اور حکم مقابل میں
بہی نہو اگر ایسا ہوگا تو وہ محسوس کس کو کریگی اب بہی اگر حضرات اہلسنت ......
رویت باری کو محال عقلی نہ سمجہیں تو انکار بدیہیات کا تو زمانہ میں کسی کے پاس علاج
نہیں. مگر یاد رہے کہ جب ایسی ہی تجویز عقلی ہے تو صاف صاف کیون نہیں کہدیتے
کہ ہماری عقل اسکو تجویز کرتی ہے کہ خدا نے اپنا شریک بنا دیا ہو یا بغیر اوس کے
بنائے ہوئے جس طرح وہ قدیم ہے اوسی طرح اوس کا شریک دوسرا خدا ہے جس طرح
کیفیت رویت سے مطلب نہیں اوسی طرح کیفیت شرکت سے مطلب نہیں ہے صرف
قدرت مطلقہ کا خیال تجویز عقل کے لیئے کافی ہے. پہر تو علی الاعلان زمرہ مشرکین
میں داخلہ ہو جائیگا. ٹٹی کی آڑ میں شکار کہیلنے کی کیا ضرورت ہے.

اہلسنت کا دوسرا خیال	دوسری دلیل عقلی ثبوت رویت میں پیش

کی جاتی ہے کہ جوہر وعرض دونون کی رویت صحیح ہی مثلاً جسم ہی نظر آتا ہے اور اوس
کا رنگ بھی دکھائی دیتا ہے اور چند مخالف چیزون کا ایک حکم مین شریک ہونا اسکو مقتضی
ہے کہ اوس حکم کی ایک علت مشترکہ پائی جائے جسکے سبب سے وہ دیکھنے مین آتی ہین جوہر
وعرض دونون کی رویت کے لئے علت مشترکہ موجودیت ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر موجود
قابل رویت ہے لہذا خدا کا بھی دیدار ہوسکتا ہے یہ استدلال محض دہوکا ہی دہوکا ہے۔
جس کی بہت سے معقولی جواب ہین'' بالاختصار چند طریقون سے اسکی لغویت دکھائی جاتی ہی
اوّل یہ ہے کہ سائل کا یہ کہنا کہ جسم وعرض دونون دکھائی دیتے ہین غلط ہی اسلئے
کہ حقیقۃً جسم بحیثیت جسمیت دکھائی نہین دیتا بلکہ اوس کا رنگ وغیرہ ایسی چیزین دکھائی
دیتی ہین جو اعراض ہین جس سے معلوم ہوا کہ جوہر وعرض دونون کا حکم رویت مین شامل
کرنا ہی صحیح نہین تا کہ ہمکو تشخیص علت مشترکہ کی حاجت ہو۔
دوسرے اگر یہ تسلیم کرلیا جاوے کہ جسم کی رویت ہی صحیح ہوتی ہے تبھی کسیطرح
اس سے یہ لازم نہین آتا کہ دونون کی رویت کے لئے ایک مشترکہ علت ہو بلکہ ایک جوہر
کی رویت کی علت ہو اور دوسری رویت عرض کی علت ہو کیونکہ جوہر وعرض کی
باہم مخالفت ظاہر ہے کہ جو شے جوہر ہوتی ہے وہ عرض نہین ہوسکتی اور جو عرض ہے
اوسکو جوہر نہین کہہ سکتے اسی طرح ان دونون کی رویتین بھی مخالف ہین۔
نہ رویت عرض پر رویت جوہر ہوسکتی ہے اور نہ رویت جوہر پر رویت عرض صادق
آسکتی ہے پس یہ رویت ہی اور ہے وہ رویت ہی اور ہے اگر دونون مین اشتراک
ہوتا تو علت مشترکہ کی تلاش کی ضرورت تہی یہان تو رویت جسم کی علت ہی
کچھہ اور ہے اور رویت عرض کی علت ہی دوسری ہے۔
تیسرے جوہر وعرض کی رویت کا سبب وجود کو قرار دینا اور بوجہ اسکے کہ
باری تعالی بھی موجود ہے اوسکے لئے رویت کا جائز قرار دینا اسوجہ سے بھی خلاف

عقل ہے کہ جسم وعرض کی رویت کا سبب وجود نہیں ہی بلکہ دوسری چیز ہے اگر اوسکو سبب سمجھنے والے نہ سمجھہ سکیں تو اوس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ بغیر وجود کے اون دونوں کی رویت کا کوئی اور سبب ہی نہیں۔ عقلاء کا مسلّمہ مسئلہ ہے کہ کسی شئے کے عدم علم سے علم بالعدم لازم نہیں آتا ہو سکتا ہے کہ ممکن ایک شئے ہمیں تو معلوم نہو مگر واقع میں موجود ہو۔ مثلاً سونے چاندی یا زمرد یا قوت کا پہاڑ ہمنے نہیں دیکھا نہ کسی خاص مقام پر اوسکے ہونیکا ہمکو علم ہے لیکن باینہمہ عقل تجویز کرتی ہے کہ کہیں ہو مگر ہمکو معلوم نہیں اسی طرح رویت جسم وعرض کا سبب تو ایک ایسا ضرور ہے جو باری تعالیٰ میں نہیں پایا جاتا خواہ کج فہم نہ سمجہیں۔ بلکہ وہ اسباب بہی ہم دکہلاتے ہیں کہ جسم وعرض کے لئے حکم رویت کی علت امکان ہے حدوث ہے جو دونوں میں پائے جاتے ہیں جسم بہی ممکن وحادث ہے اور عرض بہی حادث وممکن ہے اسوجہ سے یہ دونوں دکہائی دے سکتے ہیں لیکن باری تعالیٰ تو قدیم واجب الوجود ہے اوسکی رویت کسی طرح ممکن نہیں اور محال ہی یا یوں سمجہنا چاہیئے کہ ثبوت حکم رویت کی علت مشترکہ وجود ہے لیکن یہ وجود مطلق وجود نہیں ہے بلکہ وجود بشرط الحدوث یا بشرط الامکان ہی پس ایسی شئے جو موجود ہو لیکن ممکن وحادث بہی ہو اوسکی تو رویت ہو سکتی ہے نہ ایسے موجود کی جو واجب الوجود قدیم ہو کیونکہ اذا فات الشرط فات المشروط۔۔ جب شرط حدوث ہی متحقق نہیں تو حکم رویت اوسکے لئے کس طرح ثابت ہو سکتا ہی۔

چوتھے یہ کہ خداوند عالم کے موجود ہونے سے اوسکی رویت کا جواز ثابت نہیں ہوتا اسلئے کہ وجود خداوند عالم اور دیگر اشیاء کے وجود میں تو مخالفت ہی کہاں خالق کہاں مخلوق کہاں واجب الوجود کہاں ممکن الوجود بلکہ اسمیں بہی اختلاف ہے کہ آیا تمام ممکنات کا وجود مشترک ہی یا نہیں اگر تمام ممکنات میں وجود کو مشترک تسلیم بہی کر لیا جائے تو بہی اوس کا اثر ممکنات ہی تک محدود رہیگا خداوند عالم

کا وجود تو عین ذات ہے اوس وجود کے اثر کا اِس موجود مقدس تک پہونچنا ہی محال ہے۔

پانچویں اگر یہ کہا بھی جائے کہ مطلق وجود موجب ثبوت رویت ہے تو یہ حکم کہ جو شئے موجود ہو وکہائی بھی دے کہان سے ثابت ہوسکتا ہی۔ کیا ہوا بھی دکھائی دیتی ہے کیا امام اعظم اپنا در وبہلول دانا کو دکھا سکتے ہے؟ ہر وہ شئے جو کسی امر کا باعث ہو تی ہے اوسیوقت اپنا اثر دکھلاتی ہے جبکہ کوئی مانع اوسکے اثر کا موجود نہو باری تعالی موجود تو ضرور ہی لیکن اوسکی ذات وحقیقت مانع رویت ہے۔ معمولی بات ہی کہ آگ پانی بھی اپنا اثر تب ہی کرتے ہیں جبکہ اون کی تاثیر کے شرائط جمع ہون کوئی مانع وحائل نہو کیا خدا کی رویت کا محال ہونا اوسکا مجسم وحادث وبجا نا مکان وجہت کا لزوم یہ قوی مانع . نہیں ہیں۔

رویت کے شرائط میں سے ایک مقابلہ بہی ہے یہان وہ بہی ندارد۔ ایک یہ بہی شرط ہی کہ زیادہ بُعد نہو۔ یہان ایسا بعد کہ اِس سے زیادہ کسی میں نہیں ہوسکتا۔ ایک یہ بہی شرط ہے کہ زیادہ قریب نہو یہان ایسا قریب کہ اِس سے زیادہ ہو نہیں سکتا۔ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ وہ تو شہ رگ سے بہی زیادہ قریب ہی۔

اہلسنت کا قرآن سے استدلال

اہلسنت ثبوت رویت میں یہ دلیل نقلی بہی پیش کرتے ہین کہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے اِلٰی رَبِّھَا نَاظِرَۃٌ یعنی کچھہ چہرے بروز قیامت اپنی پروردگار کی طرف نظر کرینگے اس آیت سے دیدار خدا ثابت ہے اسلئے کہ نظر کا صلہ اِلٰی حرف جر کے ساتھہ مفید رویت ہوتا ہی!

اہلسنت کے اِس استدلال کا جواب نہایت واضح ہے یہ آیت سورہ قیمتہ

پارہ ۲۹ میں ہے وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ ‘‘ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ’’ وَوُجُوهٌ
يَوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ ،، تَظُنُّ أَنْ يُفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ۔ ظاہری ترجمہ اسکا
تو یہ ہے کہ قیامت کے دن بہت سے چہرے تو تر و تازہ و لبشاش ہونگے۔ اور
نظر اپنے پروردگار کی طرف ہوگی اور بہتیرے منہ وسن اوداس ہونگے۔
سمجھتے ہیں کہ اون پر وہ مصیبت پڑنیوالی ہے کہ کمر توڑ دیگی‘‘ اوّلاً یہ عرض
کر دینا بھی مناسب ہے کہ کلام عرب میں لفظ نظر جس سے ناظرہ مشتق ہے چند معنی
میں مستعمل ہے منجملہ ان کے ایک بمعنی رویت دوسرے رویت کیلئے آنکھ کو گردش دینا
تیسرے بمعنی انتظار۔ چونکہ دلائل عقلیہ و نقلیہ سے یہ امر واضح ہو چکا کہ خداوند
عالم کی رویت محال ہے ورنہ رویت کے تمام لوازم کو تسلیم کرنا پڑیگا۔ کیونکہ لازم و ملزوم
کا انفکاک غیر ممکن ہے پھر تو خدا مجسم بھی ہوگا کسی صورت کی بھی ضرورت ہوگی۔
کوئی خاص مکان بھی لازم ہوگا کسی خاص جہت میں دیکھنے والے کے بھی مقابل ہونا
پڑیگا۔ اسی طرح دوسرے معنی تقلیب حدقہ یعنی شئے مرئی کی طرف آنکھ کو گردش دینا
یہ بھی محال ہے اسلئے کہ جس شئی کی طرف آنکھ کو گردش دی جائیگی وہ ضرور کسی جہت
میں ہی ہوگی اور جہت میں ہونا موجب حدوث ہے حالانکہ خداوند عالم تو واجب
الوجود لذاتہ ہے اور علاوہ اس امر کے کہ رویت خدا خلاف عقل و نقل ہے دوسری
چند خرابیاں لازم آتی ہیں۔ اوّل یہ کہ کلام میں ان الفاظ کو مقدم کرنا جن کا
حق تاخیر ہو حصر کو مفید ہوا کرتا ہے جیسے کہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے عَلَيْهِ
تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ یعنی خدا ہی پہ میرا توکل ہے پس اگر تَوَكَّلْتُ عَلَيْهِ فرماتا
تو توکل کا صرف خدا ہی پر حصر نہوتا یا ارشاد فرماتا إِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ‘‘ اس کی جگہ
اَلْمَصِيرُ إِلَى اللَّهِ نہیں فرمایا کہ حصر کا فائدہ مفقود نہو اسی طرح اون حضرات
کو جو إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ سے دیدار خدا پر استدلال کرتے ہیں یہاں بھی بوجہ مقدم

ہوئے اِلیٰ رَبِّہا کے لفظ ناظرۃ پر حصر کا فائدہ ماننا پڑیگا جس کا یہ مطلب ہوگا کہ اہل جنت بروز قیامت فقط خدا کی طرف دیکھتے ہونگے اور کوئی چیز اونکو نظر ہی نہ آئیگی حالانکہ کسقدر بعید ہے کہ محشر میں اجتماع ہو اور ایکدوسرے کو دکھائی نہ دے۔ دوسرے یہ کہ کلام خدا کی وہ فصاحت و بلاغت جو زبان زد خلایق اور امکان بشری سے خارج ہے اسکو مقتضی ہے کہ حتی الامکان حسن کلام کے درجات کا لحاظ رکھا جائے۔ کلام میں تقابل و تشاکل بھی ایک بہت بڑی خوبی ہے اول آیت میں خدا مومنین کے متعلق فرماتا ہے وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ (قیامت کے دن بہت سے چہرہ بشاش ہونگے) اِلیٰ رَبِّہَا نَاظِرَۃٌ۔ (اپنے پروردگار کی طرف اون کی نظر ہوگی) اس کے بعد مقابل میں فرماتا ہے وَوُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ بَاسِرَۃٌ (بہتیرے چہرے اوسدن اوداس ہونگے تَظُنُّ اَنْ یُّفْعَلَ بِہَا فَاقِرَۃٌ (وہ سمجہہ رہے ہونگے کہ اون پر کمر توڑ دینے والی مصیبت پڑنیوالی ہے) اب دیکھیے کہ پہلے فقرے میں تشاکل قائم ہے کہ کچہہ چہرے بشاش ہونگے اور کچہہ چہرے اوداس ہونگے لیکن کلام خدا میں تصرف کرنیوالے حسن فقرہ سے گرائے دیتے کہ مومنین تو اپنے پروردگار کی طرف دیکھتے ہونگے اور اہل عذاب یہ سمجھینگے کہ ہماری کمر توڑدی جائیگی بہلا کوئی اون سے پوچہے کہ خدا کا دیدار اور کمر کے ٹوٹنے میں کیا مناسبت ہے" حالانکہ اس آیت کے سیدہے اور سیدہے معنی کی بنا پر چاروں فقروں میں تناسب پایا جاتا ہے کہ کچہہ چہرے بشاش ہونگے اور کچہہ چہرے اوداس ہونگے کچہہ تو خدا کی طرف نظر لگائے ہونگے کہ دیکہیں کسطرح ثواب عطا فرماتا ہے اور کچہہ لوگوں کو کمر توڑ دینے والے عذاب کا انتظار ہوگا، بنا بر اس معنی کی تمام وہ عقلی و نقلی خرابیاں جو دیدار خدا پر مترتب ہوتی ہیں اوٹھ جائینگی تشاکل بھی قائم رہیگا حصر بھی پایا جائیگا کہ وہ صرف خدا ہی کے ثواب و رحمت کے منتظر ہونگے۔ کیا اِلی لوگوں کو اردو کا محاورہ بھی یاد نہیں جو نہایت شدائد کیوقت استعمال کیا جاتا ہے۔ کہ خدا پر

نظر رکھو" اس کا کیا مطلب ہوتا ہے کسی احمق کی نزدیک بھی یہ جملہ خدا کی رویت پر دلالت کرتا ہے پس جس طرح اس اردو محاورہ کا یہ مطلب ہے کہ خدا کی رحمت کے منتظر رہو بعینہ اوسی طرح اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ کے یہ معنی ہیں کہ وہ لوگ اپنے پروردگار کی رحمت کے منتظر ہونگے" یہ خیال بالکل غلط ہے کہ حرف اِلٰی سے نظر کا صلہ رویت کو مفید ہوتا ہے یہ زبان عربی سے ناواقفیت کا اثر ہے شعراء عرب کے کثرت سے ایسے اشعار موجود ہیں جن میں لفظ نظر کا صلہ اِلٰی کے ساتھ آیا ہے لیکن وہاں رویت کے معنی مراد نہیں عرب کے مسلم الثبوت شاعر حسان بن ثابت کا شعر ہے ؎

وُجُوْهٌ نَاظِرَاتٌ يَوْمَ بَدْرٍ   اِلَى الرَّحْمٰنِ تَنْتَظِرُ الْفَلَاحَ

(بہت سے چہرے غزوہ بدر میں خدا کی رحمت و فلاح کا انتظار کر رہے تھے

اور کمیت شاعر کہتا ہے۔

وَشُعْثٌ يَنْظُرُوْنَ اِلٰى بِلَالٍ   كَمَا نَظَرَ الظِّمَاءُ حَيَا الْغَمَامَةِ

(بہت سے پریشان حال آدمی بلال کا انتظار کر رہے تھے جس طرح پیاسا شخص ابر کی بارش کا انتظار کرتا ہے) جمیل شاعر کہتا ہے ؎

اِنِّيْ اِلَيْكَ لِمَا وَعَدْتَ لَنَاظِرٌ   نَظَرَ الْفَقِيْرِ اِلَى الْغَنِيِّ الْمُوْسِرِ

(میں تیرے وعدے کا اسی طرح منتظر ہوں جس طرح فقیر مالدار کی بخشش کا انتظار کرتا ہے۔

پارہ ۹ سورہ اعراف رکوع ۲۴ میں خدا عزّ و جل ارشاد فرماتا ہے وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ (تم سمجھ رہے ہو کہ وہ لوگ تمہاری طرف نظر تو کر رہے ہیں لیکن دیکھتے نہیں) اگر اِلٰی سے صلہ کا آنا رویت کو مفید ہوتا تو پھر لَا يُبْصِرُوْنَ نہ فرماتا ورنہ اجتماع نقیضین لازم آئیگا کہ وہ دیکھتے بھی ہیں اور دیکھتے بھی نہیں۔ کیا یہ عرب کا مشہور محاورہ نہیں ہے نَظَرْتُ

اِلَی الْھِلَالِ فَلَمْ اَرَہٗ ۔ میں نے چاند کی طرف نظر کی لیکن نہ دیکھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نظر کو دیکھنا لازم نہیں ہی باوجودیکہ حرف اِلیٰ سے صلہ موجود ہی اگر نَظَرْتُ اِلَی الْھِلَالِ کے معنی دیکھ لینے کے ہوتے تو پھر یہ نہ کہا جاتا کہ لَمْ اَرَہٗ میں نے نہیں دیکھا اسلئے یہ اعتراض بھی باقی نرہا کہ خواہ مخواہ حضرات شیعہ یہان سے ثواب یا رحمت کا لفظ محذوف مانتے ہیں بلکہ بغیر حذف الفاظ کے فقرہ اِلیٰ رَبِّھَا نَاظِرَۃٌ نہایت فصاحت کے ساتھ یہی معنی بتلا رہا ہے کہ وہ لوگ صرف اپنی پروردگار کی طرف اسی طرح نظر کئے ہونگے جس طرح دنیا میں اوسکی طرف نظر رکھتے اور اوسکی رحمت کے منتظر رہتے تھے"۔ اِس آیت کی تفسیر حضرات اہلسنت کے مسلم اصحاب رسول اور مفسرین نے بھی یہی کی ہے جن میں "مجاہد" "حسن بصری" "سعید بن جبیر" "ضحاک" قابل ذکر ہیں۔ اور اگر اس آیت میں مجاز بالحذف بھی مانا جائی تو کونسا گناہ ہے یہ طریقہ تو قرآن کی کتنی آیتون میں موجود ہے بھلا اس آیت کے آپ کیا معنی کہینگے۔ وَجَاءَ رَبُّکَ موجودہ الفاظ کے تو معنی یہ ہیں کہ تیرا پروردگار آیا بھلا پروردگار کے آنے کا کیا مطلب ہے لہذا ضرور ہوا کہ یہان سے لفظ اَمْرٌ محذوف مانا جائے۔ کہ جَاءَ اَمْرُ رَبِّکَ تیرے پروردگار کا حکم آیا۔ دوسری آیت میں ارشاد فرماتا ہے وَاسْئَلِ الْقَرْیَۃَ قریہ سے سوال کر اور ایک جگہ ارشاد فرماتا ہے اَنَا اَدْعُوْکُمْ اِلَی الْعَزِیْزِ الْغَفَّارِ میں تمہیں خدا کی طرف بلاتا ہون، کیا خدا کی طرف بلانے کے کوئی معنی بجز اسکے ہوسکتے ہیں کہ اِلیٰ تَوْحِیْدِ الْعَزِیْزِ الْغَفَّارِ الحاصل آیہ مبارکہ اِلیٰ رَبِّھَا نَاظِرَۃٌ میں اِلیٰ حرف جر کسی قاعدہ اور محاورہ سے رویت کو ثابت نہیں کرتا حالانکہ ایک نہایت متین و لطیف معنی اس آیت کے اور ہیں جن کی بنا پر اِلیٰ حرف جر نہوگا بلکہ یہ اسم ہی کہ جس کے معنی نعمت کے ہیں اور جس کی جمع آلاء آتی ہے جس کا تلفظ کتب

لغت میں کئی طرح بیان کیا گیا ہے۔ اَلیٰ، اِلیٰ، اَلیٰ، اَلْیٰ، یعنی وہ مومنین اپنے پروردگار کی نعمت کے منتظر یا ناظر ہونگے۔ فَاِذَا جَاءَ الْاِحْتِمَالُ بَطَلَ الْاِسْتِدْلَالُ، شاید کوئی عقلمند اس تقریر پر یہ اعتراض وارد کرے کہ انتظار میں تو تکلیف ہوتی ہے یہ خدا کی نعمت و رحمت کیسی جس میں زحمت کا مقابلہ کرنا پڑے۔ اوّل . . . . تو اِس اعتراض کی کوئی خصوصیت اِلیٰ بمعنی نعمت سے نہیں ہے بلکہ اِلیٰ حرف جر اور بمعنی نعمت دونوں صورتوں کا مرجع و مآل متحد ہے اور اعتراض بھی سراسر مغالطہ ہے اسلئے کہ جس انتظار میں قلب کو ایذا ہوتی ہے وہ ایسی شے کا انتظار ہوتا ہے کہ جسکے ملنے کا یقین نہو دینے والا کریم و جواد اور صادق الوعد نہو یہاں تو دینے والا احکم الحاکمین اصدق الصادقین لینیوالے مومنین صالحین اور ملنے کا کامل یقین ہے پھر غم ہو تو کس چیز کا۔ کس قدر معمولی بات ہے کہ آج شام کو اگر کسی شخص کیلئے دربار شاہی سے حکم صادر ہو کہ کل صبحکو تم دربار میں حاضر ہو تم کو جاگیر و خلعت و خطاب دیا جائیگا تو کیا رات بھر وہ شخص غمگین رہیگا یا خوش و مسرور ہوگا۔ یہاں تو خداوند عالم اپنی نعمتوں کی بشارت دیکا وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اون کے چہرے تر و تازہ و بشاش ہونگے اسکے بعد فرماتا ہے اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ یعنی اب اونکو اپنے پروردگار کی نعمت و ثواب کا انتظار ہوگا اور اس انتظار میں اون کے چہرے خوش و مسرور ہونگے۔ مشہور حکایت ہے کہ ایک سخی کا قاعدہ تھا کہ اوّل وعدہ کرتا اور پھر دیا کرتا اوس سے کسی نے پوچھا کہ صاحب آپ یہ کیا کرتے ہیں جب آپکے پاس روپیہ پیسہ سب کچھ ہر وقت موجود رہتا ہے تو خواہ مخواہ آپ کس لئے وعدہ کیا کرتے ہیں اوس سخی نے جواب دیا کہ اس سے محض میرا مطلب یہ ہے کہ جس کے ساتھ میں کچھ سلوک کروں اوس کو دو طرح سے خوش کر دوں تاکہ اوس کو ایک خوشی کے بجائے دو قسم کا سرور حاصل ہو ایک حالت توقع و انتظار میں

خوشی اور دوسری ملنے کے بعد خوشی ہ

جو مزہ انتظار میں دیکھا | نہ کبھی وصل یار میں دیکھا

اہلسنت کا پہلا شبہہ اسکے بعد یہ امر بھی قابل ذکر ہی کہ اہلسنت کو ایک استدلال قرآنی ہیں جو استحالہ رویت پر پیش کیا جاتا ہی چند وسوسے واقع ہوئی ہیں اول یہ کہ اگر رویت محال تھی تو حضرت موسیٰ ہی نے سوال کیون کیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہی کہ رویت ممکن ہی لیکن اوس کا واقع نہونا خدا کی مشیت ہے ورنہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جہل لازم آئیگا۔

اِس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ استحالہ رویت باری سے واقف تھے لیکن یہ سوال اوس اپنے دل سے اپنی خواہش سے نہ تھا بلکہ جب اون کی قوم کا اصرار حد سے گذر گیا تب آپنے باجازت خدا سوال کیا تاکہ بنی اسرائیل کو بھی امتناع رویت کا حال معلوم ہو جائے۔ تعجب ہی کہ حضرات اہلسنت سوال پیمبر کی طرف تو متوجہ ہیں کہ حضرت موسیٰ نے سوال ہی کیون کیا لیکن قول خدا کی طرف التفات نہیں کہ اوس نے کیسی تاکید سے ممانعت فرمائی واقعہ اس کا یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ کو جناب باری سے کلام کرنیکا شرف حاصل ہوا اور خدا کا کلام کرنا یہ تھا کہ ایک درخت سے آواز پیدا ہوتی تھی کیونکہ اوسکے متکلم ہونے کے یہی معنی ہیں کہ جس چیز میں چاہے کلام پیدا کر دے"۔ پس جناب موسیٰ نے اس مکالمہ کی خبر اپنی قوم کو پہونچائی اونہوں نے یہ سنکر کہا کہ ہم تو اوسیوقت ایمان لائینگے جب خود اپنے کانوں سے خدا کا کلام سُن لیں اوسوقت آپکی قوم کی تعداد ۷ لاکھ تھی اون میں سے اول ستر ہزار کا انتخاب کیا پھر اون میں سے سات ہزار کو چھانٹا اور سات ہزار میں سے سات سو کا انتخاب کیا اور اون میں سے ستر آدمیوں کو منتخب فرما کر ساتھ لئے ہوئے خود تو بالا کوہ تشریف لائے اور سبکو دامن کوہ میں چھوڑا جب مناجات شروع ہوئی اور کلام خدا

مشرف ہوئی تو اون لوگون نی کلام باری کو ششش جہت سے سنا حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ ہمتو اوسوقت تک باور نہ کرینگے جب تک کہ خدا کو اپنی آنکہہ سے نہ دیکھین جیسا کہ خدا اون کا قول نقل فرماتا ہی لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً۔ اون کا یہ کہنا تہا کہ ساتھ غضب الٰہی نازل ہوا جس سی سب کے سب ہلاک ہوگئی۔ پس جب حضرت موسیٰ نی یہ حال مشاہدہ کیا جناب باری میں عرض کرنے لگے کہ پروردگارا اب جو میں تنہا واپس جاؤنگا تو بنی اسرائیل زبان طعن مجہپر دراز کرینگے اور یہی کہینگے کہ موسیٰ اپنے دعوے میں صادق نہ تہی اسوجہ سے یہ لوگ سب کے سب ہلاک ہوگئی اور اونکو مورد عذاب بنوا دیا اوسوقت میں اونکو کیا جوابدونگا پس حضرت موسیٰ کی اس عرض پر خداوند عالم نے سبکو زندہ فرما دیا اور وہ سب کے سب حضرت موسیٰ کی ہمراہ واپس آئی۔ لیکن پہر بہی اون کی قوم نے عرض کیا کہ اگر آپ خود ہی اپنی واسطے دیدار کا سوال کرے اور بعد دیکہنے خدا کے ہمکو اوسکی کیفیت سے خبر دیتے تو ہمکو کمال معرفت حاصل ہو جاتا اسکے جواب میں حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ اے قوم خدا کو تو چشم سر سے کوئی نہیں دیکھہ سکتا وہ تو ہر کیفیت سے منزہ ہے بس وس کی معرفت اسی میں منحصر ہے کہ اوسکی قدرت کی نشانیاں اوسکے علامات و آثار دیکہکر پہچانو اسی طرح حضرت نے بہت کچھ سمجہایا لیکن انہوں نے ایک نہ سنی ملکہ اپنے سوال پر زیادہ اصرار کیا۔ تب حضرت نے مجبور ہو کر درگاہ خدا میں عرض کی کہ پروردگار تو ان لوگون کے کلام کو مجہسے بہتر جانتا ہے؟ دیکہئے یہ اس سوال کے محال ہونے ہی کا سبب تہا۔ کہ حضرت موسیٰ نی بغیر حکم خدا اپنی زبان سے نہ نکالا ہان جب جناب باری سے وحی ہوئی کہ ای موسیٰ جو کچہہ تم سے یہ کہتے ہیں سوال کرو ہم تمہاری قوم کی جہالت کی وجہ سے مواخذہ نہ کرینگے تب حضرت موسیٰ نے کہا کہ رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْکَ خدایا تو مجہے اپنی ایک جہلک دکہا دی۔ قَالَ لَنْ تَرٰانِیْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰانِیْ ط

ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ تم مجھے ہرگز نہیں دیکھو گے مگر ہان اس پہاڑ کی طرف دیکھو
اس پر ہم اپنی تجلّی ڈالتے ہیں پس اگر پہاڑ اپنی جگہ قائم رہا تو سمجھنا کہ عنقریب
مجھے دیکھلو گے ورنہ نہیں فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ
مُوْسٰی صَعِقًا ۚ پس جب خدا نے اپنی تجلّی پہاڑ پر ڈالی تو اوسکو چکنا چور کر دیا
اور موسیٰ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ
اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ جب حضرت موسیٰ کو ہوش آیا عرض کیا
کہ خداوندا تو دیکھنے دکھانے سے پاک و پاکیزہ ہے میں تیری بارگاہ میں توبہ کی اور
میں تو سب سے پہلے سے تیری عدم رویت کا یقین رکھتا ہوں'' پس اس تقریر سے
معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ کا سوال از طرف خود نہ تھا بلکہ اون کی قوم کی خواہش
تھی ایمان ہی کو اسپر معلق کر رہی تھی۔ خدا کی شہادت سے زیادہ قوی اور صحیح کونسی
دلیل ہو سکتی ہے مگر اسلام کا دعویٰ کرنیوالے نہ مانیں تو اس کا کیا علاج ہے وہ تو
قوم موسیٰ کا قول صاف صاف نقل فرماتا ہے کہ انہوں نے کہا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى
نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً ہم تو جب تک خدا کو کھلم کھلا نہ دیکھ لیں اسوقت تک ہرگز
ایمان نہ لائینگے دوسرے موقع پر فرماتا ہے وَلَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ
ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً (قوم موسیٰ نے اس سے بھی بڑی سخت
بات کا سوال کیا کہنے لگے کہ ہمیں خدا کو کھلم کھلا دکھا دو) حضرت موسیٰ تو پہلے ہی
سے اسکی عدم رویت کا یقین کئے ہوئے تھے تب ہی تو عرض کیا اور خدا نے نقل فرمایا
اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ (کیا ہم سے چند بیوقوفون کے کردار
کی سزا میں ہمکو ہلاک کرتا ہے) اور پھر بھی اگرچہ خداوند عالم کی اجازت سے
سوال کیا لیکن عرض کرتے ہیں۔ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ
الْمُؤْمِنِيْنَ (میں تیری درگاہ میں توبہ کی اور سب سے پہلے تیری عدم رویت

کا یقین رکھتا ہوں"۔ اب بھی معتقدین رویت سوچیں اور سمجھیں کہ جہلاء بنی اسرائیل
پر تجلی گری جس پہاڑ پر یہ سوال ہوا وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا"۔ حضرت بھی صرف کارِ
سفارت اور صحبت قوم کی وجہ سے بیہوش ہو گئے ایسے لوگ جو صمیم قلب سے معتقد
رویت ہیں کہیں ان پر ایسا صاعقۂ غضب الٰہی نازل نہ ہو کہ مَا لَا عَیْنٌ رَأَتْ
وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ۔ جس کو نہ آنکھوں نے دیکھا اور نہ کانوں نے سنا ہو
مگر رسول خدا کا یہ وعدہ روکی ہوئی ہے کہ میری اُمت عذاب دنیوی سے محفوظ
رہے گی۔

(اہلسنت کا دوسرا شبہ)

دوسرا وسوسہ قائلین رویت کو جو اس آیۂ لَنْ تَرَانِیْ کے متعلق ہوتا
ہے وہ یہ ہے کہ خدا نے رویت کو پہاڑ کے ٹھہر جانے پر معلق فرمایا ہے۔ فرماتا ہے فَاِنِ
اسْتَقَرَّ مَکَانَہٗ فَسَوْفَ تَرَانِیْ (اگر پہاڑ ٹھیرا رہے تو تم مجھے عنقریب
دیکھوگے چونکہ پہاڑ کا استقرار ممکن تھا اور جو چیز کسی امر ممکن پر موقوف ہوگی
وہ خود بھی ممکن ہوتی ہے لہذا معلوم ہوا کہ رویت ممکن ہے"

یہ شبہ حضرات اہلسنت کا اگر ذرا بھی وہ فحوائی آیت پر غور کریں تو نہایت
آسانی سے دفع ہو جاتا ہے"۔ بیشک جو کام کسی ممکن امر پر معلق ہوتا ہے وہ خود بھی
ممکن ہوا کرتا ہے لیکن یہاں یہ دیکھنا چاہیئے کہ خداوند عالم نے رویت کو کسی امر ممکن پر
معلق فرمایا ہے یا محال پر۔ خداوند عالم فرماتا ہے لَنْ تَرَانِیْ (تم مجھے ہرگز نہ دیکھوگے
اب بعد اس کے کہ رویت کی نفی تاکید سے فرمادی ارشاد فرماتا ہے وَلٰکِنِ انْظُرْ
اِلَی الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَکَانَہٗ فَسَوْفَ تَرَانِیْ (لیکن اے موسیٰ تم
پہاڑ کی طرف دیکھو اگر یہ پہاڑ اپنی جگہ ٹھیرا رہے تو عنقریب تم مجھے دیکھ لوگے
پس اس کلام میں خداوند عالم نے اپنی رویت کو پہاڑ کے ٹھہر جانے پر معلق فرمایا ہے
لیکن ہوا کیا فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّہٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَہٗ دَکًّا وَّخَرَّ مُوْسٰی

صَعِقًاؕ (جب خدا نے اپنی تجلی پہاڑ پر ڈالی تو اوسکو چکنا چور کر دیا) پس جس استقرار پر خداوند عالم نے رویت کو معلق فرمایا وہ مطلق استقرار جبل نہیں ہی بلکہ جس پر موقوف کیا گیا استقرار جبل حال التجلی و حال الحرکۃ ہی ~~کہ جس پر رویتکو معلق کیا گیا~~ اور پہاڑ کا حرکت کیوقت ٹہرنا محال ہی لہذا وہ رویت جو اس محال پر موقوف کی گئی وہ بہی محال ہو گی،، وجہ یہ ہی کہ خداوند عالم نے اوّل اپنے قول لَنۡ تَرَانِی سے صاف صاف بتلا دیا کہ رویت نہیں واقع ہو سکتی جس سے معلوم ہوا کہ وقوع رویت محال ہی،، پس استقرار جبل کہ جس پر اِس محال (رویت) کو معلق کیا گیا وہ بہی محال ہو گا بلکہ ایسی چیز کا کسی امر پر معلق کرنا جس کا امتناع وقوع معلوم ہو صاف صاف اسپر دلالت کا کیا کرتا ہے کہ اوس امر موقوف علیہ کا وقوع بہی محال ہی مثلاً آپ اپنے کلام میں وجود شریک باری کو کسی امر پر معلق کریں کہ اگر فلان امر واقع ہو تو شریک باری موجود ہی تو اِس سے یہی مطلب ہوتا ہی کہ جس طرح وجود شریک باری محال اسی طرح اِس امر کا واقع ہونا بہی محال ہی۔ یہان بہی خداوند عالم نے رویت کو جو عقلاً و نقلاً محال تہی استقرار جبل پر معلق فرمایا مطلب یہی تہا کہ جس طرح وقوع رویت محال ہی اوسی طرح پہاڑ کا جنبش کیوقت قائم رہنا محال ہی اور جس طرح پہاڑ کا تجلّی کیوقت برقرار رہنا محال ہی اوسی طرح ہمارا دیدار بہی محال ہی چونکہ استقرار جبل امر غیر ممکن و محال تہا اسیوجہ سے فوراً ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور مستقر نہ رہ سکا،، خلاصہ یہ کہ استقرار جبل اگرچہ فی نفسہ ممکن ہی لیکن جب خدا کے قول و علم کی طرف نظر کی جائی تو وہ ممتنع و محال ہی کیونکہ خدا تو اوّل فرما چکا لَنۡ تَرَانِی کہ رویت محال ہی اور پہر استقرار جبل پر موقوف کیا حالانکہ اوس کے علم ازلی و ابدی میں پہاڑ کی حرکت اور اوس کا چور چور ہونا گذر چکا تہا کہ پہاڑ کسی طرح تجلّی کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ پس۔ یہان رویت خدا تجلّی کیوقت پہاڑ کے ٹہر جانے پر معلق ہی اور پہاڑ کا سکون تجلّی کے وقت محال تہا لہذا رویت بہی

محال ہے کیونکہ جو امر کسی امر محال پر معلق ہوتا ہی وہ خود بھی محال ہوا کرتا ہے پس درحقیقت رویت کو امر محال پر موقوف کیا گیا ہے جس کا وجود ہی واقع میں نہیں ہو سکتا۔

اہلسنت کا تیسرا شبہ

اس کے بعد حضرات اہلسنت کا آیۂ لَن تَرَانِی سے امتناع رویت کے ثابت ہونے پر یہ اعتراض ہی کہ خداوند عالم نے صرف لَن تَرَانِی (تم مجھے ہرگز نہ دیکھوگے) ارشاد فرمایا ہی اور لفظ لَن نفی دائمی کیلئے نہیں آتا تاکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رویت کا نہونا سمجھا جائے البتہ تاکید کیساتھ نفی میں مستعمل ہے اور اگر دوام لیا جائے تو بھی دنیا کیساتھ محدود ہی خداوند عالم یہود کی متعلق ارشاد فرماتا ہے وَلَن یَّتَمَنَّوْہُ اَبَداً بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْہِمْ (وہ لوگ اپنے اعمال کی وجہ سے کبھی بھی موت کی آرزو نہ کرینگے) سے یہی مراد ہی کہ حیات دنیوی میں یہ لوگ ہرگز موت کی تمنا نکرینگے جس سے ثابت ہوا کہ خداوند عالم نے صرف دنیا میں رویت کو منع فرمایا ہی۔ آخرت کے لئے منع نہیں ہی۔

اسکے جوابمیں اولاً یہ ظاہر کردینا ضروری ہی کہ لَن چونکہ حرف ہے لہذا اسکے معنی غیر مستقل ہیں تاوقتیکہ مضارع پر داخل نہوگا اپنے معنی پر دلالت نہیں کرسکتا۔ اس پر تمام اہل عربیت کا اتفاق ہی کہ لَن مضارع پر داخل ہوکر تاکید کے ساتھہ زمانہ آئندہ کیلئے نفی کا فائدہ دیتا ہی جیسا کہ خود اہلسنت کو آیۂ لَن تَرَانِی (تم مجھے ہرگز نہ دیکھوگے) میں مسلم ہے مگر بحث یہ ہی کہ وہ زمانہ آئندہ جس میں رویت کی نفی کی گئی ہی آیا کسی خاص وقت تک ہے یا ہمیشہ ہمیشہ دنیا و آخرت دونوں کے لئے شامل ہے۔ چونکہ وہ دلائل عقلیہ جو استحالۂ رویت خداوند عالم پر دلالت کرتی ہیں اور وہ موانع و قبائح جو رویت سے لازم آتے ہیں عام اور ہر زمانہ کو شامل ہیں کسی وقت کی خصوصیت نہیں جس طرح وہ خرابیاں دنیا کے لئے ہیں اسی طرح آخرت میں رویت سے پیش آتی ہیں لہذا رویت کا استحالہ ابدی ہی دنیا و آخرت دونوں کو شامل ہے اور حرف لَن کا بھی یہی قاعدہ ہی کہ وہ نفی ابدی کا فائدہ دیتا ہی تاوقتیکہ کلام

ہیں کوئی قرینہ اوسکے خلاف نہ پایا جائے جیسا کہ علامۂ زمخشری نے اسکی تصریح کی ہے اس لئے کہ علم معانی و بیان میں یہ مسئلہ طے ہو چکا ہے کہ کسی لفظ کو سنکر جو معنی سب سے پہلے ذہن میں آئیں وہ حقیقی ہیں اور جو معنی کسی قرینہ سے ملانے کے بعد سمجھہ میں آئیں وہ مجازی معنی ہیں پس آیۂ لَنْ تَرَانِی سے سننے کے بعد ہی ذہن میں آتا ہے کہ (مجھے کبھی نہ دیکھوگے) لہذا یہی نفی دائمی اوسکے حقیقی معنی ہیں۔ جو زمانۂ مستقبل کو محدود کر رہا ہو ہمیشگی پر حمل کرنا واجب ہوگا کیونکہ زمانہ مستقبل کا کامل مصداق اور جامع اکمل وہ ہمیشگی ہے جو دنیا و آخرت دونوں کو شامل ہے ورنہ ترجیح بلا مرجح لازم آئیگی کہ جب ہمیشہ ایک فعل کی نفی مطلق زمانہ آئندہ میں کی جارہی ہے تو پھر کیوں اوسکو محدود کیا جاتا ہے اگر کلام میں کوئی قرینہ زمانہ آئندہ کو محدود کرنیوالا ہو تو البتہ اوس کا محدود ہونا تسلیم کیا جائیگا یہاں خداوند عالم لَنْ تَرَانِی بصیغہ مستقبل ارشاد فرماتا ہے کہ (ہرگز تم مجھے زمانہ آئندہ میں نہ دیکھوگے) زمانۂ مستقبل کو اس آیت میں کسی لفظ کسی عبارت سے کسی خاص وقت تک محدود نہیں کیا گیا" اور جس طرح آئندہ زمانہ میں دنیا کا آئندہ زمانہ داخل ہے اسی طرح آخرت کا زمانہ بھی داخل ہے وہ بھی تو آئندہ ہی ہے بلکہ یہاں ایک زبردست قرینہ دنیا و آخرت دونوں کے شمول کیواسطے مجبور کر رہا ہے کہ جب دیگر دلائل عقلیہ و نقلیہ سے استحالہ رویت ثابت ہے تو یقیناً ہر زمانہ کے لئے اوس کا استحالہ ثابت و قائم رہیگا۔ اور وہ آیت جو حضرات اہلسنت نے دنیا ہی میں نفی موت کی تائید میں پیش کی ہے کہ خداوند عالم یہود کے متعلق فرماتا ہے لَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا (وہ کبھی موت کی تمنا نہ کرینگے) تو یہ صاف صاف وہی دوام بتلا رہی ہے جو دنیا و آخرت اور مردہ رہنے کی حالت سبکو شامل ہے کیونکہ دنیا میں تو وہ اپنے اعمال کی وجہ سے موت کی تمنا نہ کرینگے" رہا دار آخرت وہاں کے بارے میں تو سبکو معلوم ہے کہ آخرت کی زندگی دائمی و ابدی ہے وہاں کون موت کی تمنا کر سکتا ہے ہاں اس امر کی آرزو البتہ لوگ کرینگے کہ عذاب خدا سے کسی طرح بچ جائیں لہذا موت کی آرزو نکرنا آخرت میں بھی ثابت رہا

اب ایک مردہ رہنے کی حالت کا زمانہ اور باقی ہے اوس میں بہی یہود کا موت کی آرزو نہ کرنا صادق ہے۔

اہلسنّت منطق کی درسی کتابیں اوٹہا کر دیکہیں کہ قضیّہ موجبہ اور قضیہ سالبہ کے باعتبار وجود موضوع کیا احکام ہیں" یہ معقولیین کا مسلّمہ مسئلہ ہے کہ قضیّہ موجبہ میں وجود موضوع کی گیا ضرورت ہوا کرتی ہے مثلاً آپ کہیں کہ زید کہڑا ہے" تو آپ کا یہ قول اوسی وقت صحیح ہو سکتا ہے۔ جبکہ زید زندہ اور موجود ہو کیونکہ قیام کا ثبوت زید کے لئے اوسی وقت ہوگا جب خود بہی حاصل ہو اگر وہ خود معدوم ہے تو قیام بدرجۂ اولےٰ اوس سے معدوم ہوگا" برخلاف قضیہ سالبہ کے اوس میں وجود موضوع کی ضرورت ہی نہیں ہوتی مثلاً اسی مثال کو آپ سلب کی صورت میں استعمال کریں کہ زید کہڑا نہیں ہے تو یہ جملہ آپ کا اوسوقت بہی صحیح ہو سکتا ہو کہ جب زید زندہ ہو لیکن کہڑا نہو اور اوسوقت بہی صحیح ہو سکتا ہے کہ زید فنا ہو گیا اور اوس کا نام ونشان تک باقی نرہا ہو کیونکہ سچی بات ہے کہ جب زید زندہ موجود نہیں تو کہڑا بہی نہیں۔ اسی طرح اس آیت میں یہود سے تمنائے موت کا سلب کیا گیا ہے کہ وہ کبہی بہی تمنائے موت نہ کرینگے پس جس طرح زید کا کہڑا ہونا مرنیکے بعد بہی صادق آتا ہے اوسی طرح یہود کا تمنائے موت نکرنا بہی قبل از موت وبعد از موت ہمیشہ ہمیشہ دنیائے وآخرت دونوں کے لئے صادق آتا ہے اور آئیگا کہ یہود نہ تو حالت حیات میں موت کی تمنا کرینگے اور نہ بعد موت کے اسلئے کہ جب مرگئے تو فی الحقیقتہ موت کے متمنّی ہی نہیں۔

لہذا لَنْ تَرَانِیْ میں معترض کی لن ترانیاں سب فضول وبیکار ہیں یہاں بہی اب تو مجبوراً ماننا پڑیگا کہ دیدار کا نہونا دنیا وآخرت دونوں کے لئے ہیں اب ہم وہ مطلب بہی لیتے ہیں جو مخالفین نے لَنْ یَّتَمَنَّوْہُ اَبَدًا میں سمجہا ہے کہ ابد سے مراد زمانہ حیات یہود ہے یہ نہایت معمولی بات ہے کہ آپ ہم روزآنہ اپنی بات چیت میں کہتے ہیں کہ فلاں کام میں ہمیشہ ہمیشہ کرتا رہونگا یا فلاں کام میں ہمیشہ ہمیشہ نکرونگا یہاں یقیناً آپ کا مقصد

اپنی زندگی کا زمانہ ہوا کرتا ہی کہ جبتک زندہ ہون اوسوقت تک یہ کام کرونگا یا نہ کرونگا سمجھنے والا بھی یہی سمجھتا ہی اسلئے کہ دنیا مین کہنے والا یا سننے والا کوئی بہی ہمیشہ رہنے والا نہیں ہی سب کے لئے فنا کا ایکوقت مقرر ہوچکا ہے لہذا ہر مرنیوالے اور فنا ہونے والے کی طرف جو فعل بہی ہمیشہ کیساتھ منسوب کیا جائیگا وہ وقت وجود حیات تک محدود ہوگا اسلئے کہ یہان اس معنی کے مراد لینے پر قرینہ پایا جاتا ہے کہ جب اس فعل کا فاعل یا مفعول خود ہمیشہ قائم رہنے والے نہیں ہیں تو یہ فعل کس طرح اون کی طرف ہمیشہ کے لئے منسوب ہوسکتا ہی!! یہ قاعدہ تو فنا ہونیوالون کا ہی ہان اگر ایسی ذات جو ازلی و ابدی ہو حیّ لا یموت ہو اور وہ اپنی طرف کسی فعل کو ہمیشہ کے لئے نسبت دیا ہمیشہ کے لئے نفی کرے تو اوس سے یقیناً غیر محدود زمانہ مراد لیا جائیگا کہ جب وہ ذات ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنے والی ہی تو یہ فعل بہی اوس کی طرف ہمیشہ ہمیشہ کے لئے منسوب ہوگا" یہود کی طرف ایک فعل منسوب کیا گیا۔ لَنْ یَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا (وہ توکبہی بہی موت کی تمنا نکرینگے) چونکہ یہود خود فنا ہونیوالے تہے اون کی زندگی کا زمانہ محدود تہا لہذا یہ عدم تمنا بہی تا وقت حیات محدود رہا لیکن خداوند عالم جو قدیم ازلی وابدی ہے ارشاد فرماتا ہے۔ لَنْ تَرَانِیْ (تم مجہی ہرگز ہرگز نہ دیکہوگے) چونکہ وہ خود ازلی وابدی ہی ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہیگا۔ لہذا حضرت موسیٰ کا وہ فعل بہی جو اوسنے اپنے متعلق فرمایا ہی یعنی عدم رویت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دنیا و آخرت دونون میں ثابت و قائم رہیگا!! خلاصہ یہ کہ اہلسنت کا یہ قول کہ زمانہ یہود کا زمانہ ابدی میں تمنائے موت نکرنا صرف اون کے وقت حیات تک ثابت ہوتا ہی جس سے زمانہ ابد محدود ہوجائیگا اس سے ہمارا ہی کیا اچھا مطلب بر آمد ہوتا ہی کہ انکو معترض کو زمانہ مستقبل میں رویت کا ہونا خدا کی حیات تک ماننا پڑیگا جس طرح یہود کے لئے موت کی تمنا نکرنا صرف اونکے زمانہ حیات تک تسلیم ہی لیکن اب قائلین رویت ندبیر کیا کرینگے اگر وہ اپنے خدا کی

حیات کو ایک زمانہ تک محدود کرتے ہیں تو وہ جانیں ہم تو دست بردار ہوتے ہیں لیکن اتنا ارشاد ضرور ہے کہ خدا نے اپنے زمانہ حیات تک تو رویت کی ممانعت فرما دی اور بعد حیات کے لئے اجازت عطا فرمائی مگر جب وہ فنا ہو گیا تو دیدار کس کا ہوگا طریقہ کیا ہوگا اور وہ دیدار کرنیوالے کون ہونگے اور کہاں ہونگے اللہ رے دیدار کا شوق کہ خدا تو معدوم ہو گیا لیکن یہ زیارت کرنیوالے زندہ وسلامت دیدار کے لئے موجود ہونگے۔ ہاں اگر یہ لوگ اپنے خدا کو حی لا یموت سمجھتے ہیں تو جس طرح یہود کی زندگی بھر موت کی تمنا نکرنا اونکو تسلیم ہے اسی طرح خدا کی حیات ہیں جو ہمیشہ ہمیشہ ثابت رہیگی اور کبھی منقطع نہیں ہوسکتی اوس کی رویت کے محال ہونیکو تسلیم کرنا پڑیگا اور کوئی انکاری کا موقع ہاتھ نہ آئیگا۔

بخاری خلاصہ یہ ہے کہ حضرات اہلسنت اپنی اس ملمع سازی سے امکان رویت ثابت کرنا چاہتے ہیں حالانکہ ان دلائل کی وقعت وحقیقت منصف مزاج ناظرین پر پوشیدہ نہیں رہسکتی اور ان خیالات وشبہات سے بڑھ چڑھکر آج تک کوئی دلیل قرآنی یا عقلی اہلسنت ثبوت رویت میں پیش نہیں کرسکے صرف اون توہمات مذکورہ اور بخاری وغیرہ کی احادیث سے تمسک ہے "ایسی کتب احادیث پر اہل فہم تو اعتماد نہیں کرسکتے جن کو ہر قسم کے فجار وفساق نے جمع کیا ہو ہر شخص نے اپنا مطلب ومقصد ثابت کرنے کے لئے ایک حدیث اختراع کر لی ہو یہانتک کہ ایک شخص کی سبزی فروخت کرنے کے لئے حدیث وضع کر لی جائے تاہم اگر قائلین رویت کو دلائل استحالہ رویت اور اپنے شکوک مذکورہ کی جوابات سمجھ لینے کے بعد بھی احادیث صحاح ستہ کی طرف سے خلجان ہو اور اون کی سند کو صحیح سمجھتے ہوں تو بڑی بڑی دست حدیث رسولخدا سے ان الفاظ میں نقل کی جاتی ہے سَتَرَوْنَ رَبَّکُمْ کَمَا تَرَوْنَ الْقَمَرَ لَیْلَةَ الْبَدْرِ (تم لوگ عنقریب اپنے پروردگار کو اس طرح دیکھو گے جس طرح چودہویں رات کے

چاند کو دیکھتے ہو) کیا اس حدیث اہلسنت میں رویت خداوند عالم سے مراد انکشاف تام
اور ایسا علم نہیں ہو سکتا جس میں کوئی شبہ اور شک باقی نرہے" رویت کا اس معنی میں
استعمال عام طور پر شایع ہے خود خداوند عالم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے اَوَلَمْ یَرَ
الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ (کیا انسان نے یہ اچھی طرح نہیں جانا کہ ہمنے اوسکو پیدا کیا ہے
اس آیت میں لَمْ یَرَ رویت سے ماخوذ ہے لیکن اس کی معنی یہاں دیکھنے کے
نہیں ہیں کیونکہ کوئی انسان اپنے کو کسی طرح آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا کہ خدا نے اوسکو کیونکر پیدا
کیا ہاں علم تام ہر شخص کو ہو سکتا ہے کہ میں خود سے پیدا نہیں ہوا بلکہ خدا نے پیدا کیا ہے جو
قادر مطلق ہے۔ اسی طرح دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ
بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِ (کیا تمنے یہ اچھی طرح نہیں جانا کہ تمہارے پروردگار نے اصحاب فیل کیساتھ کیا کیا)
چونکہ اصحاب فیل کیساتھ جو معاملہ ہوا وہ خطاب سے بہت پہلے ہوا تھا لہذا خداوند عالم ایسا لغو خطاب
تو فرما نہیں سکتا کہ تمنے نہیں دیکھا جس سے ثابت ہوا کہ اس سے مراد یہی ہے کہ تمکو اچھی طرح معلوم نہیں ہوا
پس حضرات اہلسنت ذرا غور فرمائیں کہ جب تمام دلائل عقلیہ و نقلیہ سے باریتعالی کی رویت بالبصر
کا محال ہونا ثابت ہے تو اس حدیث کو جو انکے نزدیک حرز جان ہے کیوں ردی بناتی ہیں انصاف کیساتھ
اسکا یہی مطلب خیال فرمائیں کہ عنقریب تملوگوں کو اپنے پروردگار کا ایسا ضروری و یقینی علم حاصل ہو جائیگا
جیسا کہ ماہتاب کا علم تام تملوگونکو حاصل ہے یہی رویت قمر سے تشبیہ ہے تو مشبہ اور مشبہ بہ کا ہر صفت میں
برابر ہونا ضروری نہیں ہے جسطرح بہادر آدمی کو شیر سے تشبیہ دیجاتی ہے حالانکہ اوسکے تمام اعضا بعینہ شیر
کیطرح نہیں ہوتے اب بھی اگر حضرات اہلسنت فیصلہ نفرمائیں تو سلسلہ باطل بہتی ہے" ممکن ہے کہ دل سے تسلیم
کرلیں مگر زبان سے ظاہر کرنا گوارا نہیں کیونکہ جب کوئی شیعہ ان سے دریافت کرے کہ رویت سے تمہارا کیا مطلب ہے
اگر علم و یقین مقصود ہے تو یہ محل نزاع نہیں اور اگر آنکھوں میں خدا کا عکس و صورت کا اثر مراد ہے تو اسکو تم بھی محال کہتے ہو
تو پھر جب پہلی صورت میں ہمکو تم سے اور دوسری میں ہمکو تم سے اختلاف نہیں اور رویت کے بھی عقلاً و نقلاً دو معنی ہیں پھر ایسا
شدید اختلاف کیوں ہے تو بجز بغلیں جھانکنے کے اسکا کوئی جواب نہیں۔ تمت بالخیر